ابنِ صفی

جلد نمبر
33

جاسوسی دنیا

98- رلانے والی

99- تصویر کا دشمن

جاسوسی دنیا نمبر 99

تصویر کا دشمن

(مکمل ناول)

پیش رس

یہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کا 99واں ناول ''تصویر کا دشمن'' ہے۔ اس کہانی میں آپ بالکل نئے انداز کا سسپنس محسوس کریں گے۔ حیرت انگیز واقعات کے ساتھ شروع ہونے والی یہ کہانی اس طرح ختم ہوتی ہے کہ کیپٹن حمید پر تو حیرتوں کے پہاڑ ہی ٹوٹ پڑتے ہیں۔

اس کے بعد انشاء اللہ جاسوسی دنیا کا آئرن جوبلی نمبر پیش کروں گا۔ اس سلسلے میں بے شمار تجاویز موصول ہوئی ہیں۔ ایک بات پر قریب قریب سبھی نے زور دیا ہے کہ اسے پچھلے ''خاص الخاص'' نمبروں کی طرح باتصویر نہ ہونا چاہئے کیونکہ ہر پڑھنے والے کے ذہن میں کرداروں سے متعلق مختلف قسم کے تصورات ہیں لہٰذا تصاویر میں اُن سے مطابقت نہ دیکھ کر جھنجلاہٹ ہوتی ہے۔

بات پتے کی ہے۔ یقیناً ایسا ہی ہوتا ہوگا۔ مجھے اس کا اندازہ اپنے ایک ریڈیائی ڈرامے کے سلسلے میں ہو چکا ہے۔ اس

ڈرامے میں سبھی چوٹی کا صداکار تھے۔ لیکن سننے والوں کو اس لئے مزا نہ آیا کہ اُن کی آوازیں سننے والوں کی اپنی متصورہ آوازوں سے مطابقت نہ رکھتی تھیں۔

لہٰذا زیادہ سے زیادہ پیسہ خرچ کرکے بھی روسیاہی کون مول لے۔ پس اے عزیزانِ گرامی آئرن جوبلی نمبر میں تصاویر نہیں شائع ہوں گی۔

یہ بھی آپ ہی کی خواہشات کے احترام میں ہے..... دو چار حضرات جو اس نکتے سے آگاہ نہیں ہوسکتا ہے اس پر شور مچائیں، لیکن مجھے تو اکثریت ہی کا ساتھ دینا ہے۔

پچھلی کتاب کے پیشرس میں میں نے گذارش کی تھی کہ میرا وقت بہت قیمتی ہے اور کچھ ملنے والوں کے لئے وقت کے تعین کا تذکرہ بھی تھا۔ اس پر بے شمار خطوط موصول ہوئے ہیں۔ کچھ خفا ہیں اور کچھ ایسے ہیں جنھوں نے میرے خیال کو سراہا ہے۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو روزانہ آکر بڑی دیر تک پوچھتے رہتے ہیں کہ میں اوقات کار کا بورڈ کب نصب کرا رہا ہوں۔

اللہ رحم کرے میرے حال پر۔

ابنِ صفی

۲۰/۰۴/۱۹۶۷

دھماکہ

دیکھنے والے صرف اتنا ہی دیکھ سکے کہ اس نے جھپٹا مارا.....اور یہ جا.....وہ جا.....انسپکٹر آصف کی بدبختی ہی سمجھئے یہ واردات اسی دوکان پر ہوئی جس کی نگرانی وہ خود کررہا تھا۔

ویسے اس نے پھرتی تو بہت دکھائی تھی۔ موٹر سائیکل اسٹارٹ کی تھی اور اس کا پیچھا کیا تھا۔ پیدل بھاگنے والے کا تعاقب موٹر سائیکل پر..... بظاہر بات مضحکہ خیز تھی لیکن وہ بے چارہ کرتا بھی کیا۔ بھاگنے والا ایسا ہی تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بھی پٹرول کی ہی مدد سے بھاگا ہو۔ اپنے پیروں کو تکلیف دیئے بغیر.....!

انسپکٹر آصف خود ہی اس کیس کا انچارج بھی تھا۔ اس لئے اُسے تو جان تک کی بازی لگا دینی پڑی۔

چاروں طرف پولیس کی سیٹیاں بج رہی تھیں اور اسی سڑک پر ایک پٹرول کار بھی حرکت میں آ گئی تھی۔

سڑک پر ٹریفک بھی تھا اور فٹ پاتھوں پر پیدل چلنے والوں کی بھیڑ بھی بھاگنے والے نے

جیسے ہی محسوس کیا کہ پٹرول کار قریب آ گئی ہے وہ تیزی سے ایک گلی میں مڑ گیا۔ پٹرول کار آگے نکلی چلی گئی۔ پھر جتنی دیر میں یوٹرن لے کر اس گلی میں داخل ہوتی وہ گلی پار کر کے دوسری سڑک پر پہنچ چکا تھا۔

بہر حال آصف تو موٹر سائیکل ہی پر تھا۔ لیکن وہ گلی میں تیز رفتاری نہ دکھا سکا اور پھر جتنی دیر میں وہ سڑک پر پہنچتا، بھاگنے والا راہگیروں کی بھیڑ میں مل کر گویا ناپید ہو چکا تھا۔

آدھے گھنٹے تک آس پاس کے علاقوں میں ہنگامہ برپا رہا۔

یہ آج کوئی نئی بات نہیں تھی۔ کسی نہ کسی سڑک پر روزانہ ہی اس کا ''ظہور'' ہوتا تھا۔ بس وہ کسی بک سٹال پر جھپٹ پڑتا۔ ایک کتاب اٹھاتا اور اسے چیرتا پھاڑتا ہوا دوڑتا چلا جاتا۔ ابھی تک تو اسے کوئی پکڑ نہیں سکا تھا۔

ایسی افراتفری مچتی کہ بعض اوقات ٹریفک کے حادثات ہو جاتے۔ لوگوں کی جیبیں صاف ہو جاتیں اور بعض دوکانوں سے قیمتی اشیاء اٹھالی جاتیں۔ لوگوں میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا تھا کہ وہ کوئی دیوانہ ہے، لیکن قانون کے محافظوں کی دور رس نگاہیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں۔ محکمہ پولیس کے ذمہ داران کا خیال تھا کہ وہ کوئی بڑا گروہ ہے جس میں ہر فن کے پیشہ ور قانون شکن شامل ہیں۔ افراتفری سے فائدہ اٹھا کر وہ جیب تراشیاں اور بڑی بڑی چوریاں کرتے ہیں۔

پھر جہاں اس قسم کے سائنٹیفک انداز کے جرائم کی بو پھیل رہی ہو۔ محکمہ سراغ رسانی کیسے نچلا بیٹھ سکتا ہے۔

اس بار قرعہ فال انسپکٹر آصف کے نام نکلا تھا اور انسپکٹر آصف نے وہ اُدھم مچایا کہ خدا کی پناہ۔ نہ صرف سفید پوش سپاہی سارے شہر میں بکھیرا دیئے تھے بلکہ سول پولیس والوں کا بھی ناک میں دم آ گیا تھا۔ وہ جہاں بھی بیٹھتے انسپکٹر آصف کی سات پشتوں کو نواز کر رکھ دیتے۔ ایسے توصیفی کلمات ایجاد کرتے کہ گوش فلک نے بھی نہ سنے ہوں۔

قریب قریب پندرہ دن سے یہ ہنگامہ برپا تھا۔ لیکن ابھی تک تو اس گروہ کا ایک چوہا بھی

ہاتھ نہ لگا تھا اور تو اور وہی نہ پکڑا جا سکا جو بھرے بازار میں کسی نہ کسی کتب فروش کے کاؤنٹر پر چیل کی طرح جھپٹا مارتا اور اڑنچھو ہو جاتا۔

اور آج تو خود آصف ہی کو اُس سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ صاف نکل گیا۔

آصف پر گویا دیوانگی سی طاری ہوگئی تھی۔ اس کے غائب ہو جانے کے باوجود بھی موٹر سائیکل کا پٹرول پھونکتا رہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اپنے شکار کے جسم کا ایک ایک ریشہ چاروں طرف سے چنتا پھر رہا ہو۔

پھر ایک جگہ اس نے موٹر سائیکل روکی اور سگریٹ کے لئے جیبیں ٹٹولنے لگا۔ سگریٹ شائد ختم ہی ہو گئے تھے۔ موٹر سائیکل کو فٹ پاتھ سے لگا کر وہ ایک سگریٹ فروش کے خوانچے کے قریب جا کھڑا ہوا۔ سگریٹ خریدے اور ایک نکال کر ہونٹوں میں دبایا ہی تھا کہ بائیں جانب سے دیا سلائی کا شعلہ سگریٹ کی طرف بڑھا۔

فطری ردعمل کے مطابق پہلے سگریٹ سلگانا ہی چاہئے تھا۔ اس کے بعد اس نے دیا سلائی پیش کرنے والے کی طرف نظر اٹھائی اور کباب ہو گیا۔

کیپٹن حمید اپنی تمام تر سنجیدگی سمیت مؤدب کھڑا تھا۔

''کیا مطلب....؟'' آصف کی زبان سے جھلاہٹ میں بے ساختہ صرف یہی دو لفظ ادا ہو سکے۔

''میں اپنے کسی بھی بزرگ کو دیا سلائی نکالنے کا موقع نہیں دیتا۔ اگر کہیں آس پاس ہی خود بھی موجود ہوں۔'' حمید نے نہایت ادب سے کہا۔

''میں اسے پسند نہیں کرتا۔''

''تب تو آئندہ ایسی غلطی نہ ہوگی۔ میں معافی چاہتا ہوں جناب عالی.....!''

''تم میرا تعاقب کرتے رہے ہو۔'' آصف پیر پٹخ کر بولا۔

''عجیب اتفاق ہے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''ہر موڑ پر آپ سے مڈ بھیڑ ہوئی ہے اور یہ بھی اتفاق ہی ہے کہ آپ کے یہاں پہنچنے سے صرف تین سیکنڈ پہلے میں نے سوچا تھا کہ مجھے دیا سلائی خرید لینی چاہئے۔''

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ہر موڑ پر یہ اتفاق کیوں پیش آیا۔''

''یہ آپ کرنل ہارڈ اسٹون سے پوچھئے گا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''انہوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں ایسے ہنگاموں کا جائزہ لے کر انہیں مفصل رپورٹ پیش کروں۔''

''فریدی کو کیا سروکار اس سے۔'' آصف کسی بدمزاج کتے کی طرح غرایا۔

''اس کا تو آپ کو علم ہی ہوگا کہ ایک اسسٹنٹ صرف چڑی کا غلام.....مم مطلب یہ کہ صرف حکم کا غلام ہوتا ہے۔ اُسے کب حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی حکم کی وجہ بھی دریافت کر سکے..... اور.....!''

آصف جو بُرا سا منہ بنائے اُس کی بات سنتا رہا تھا بھنا کر بولا۔ ''کہہ دینا کہ میں اپنے معاملات میں دخل اندازی برداشت نہ کر سکوں گا۔''

''کیا دیا سلائی دکھانا دخل اندازی ہے۔'' حمید نے نہایت ادب سے پوچھا۔

''خاموش رہو۔'' آصف نے کہا اور اپنی موٹر سائیکل کی طرف مڑ گیا۔

پھر وہ موٹر سائیکل پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ حمید آگے بڑھ کر بولا۔ ''کیا آپ میرے ساتھ چائے پینا پسند کریں گے آج سردی بڑھ گئی ہے۔''

''ضرور پیئوں گا۔'' آصف غرایا۔ ''میں خود چاہتا تھا کہ کچھ باتیں تم دونوں کے گوش گذار کردوں۔''

''تو پھر آیئے.....کینٹین میں وہائٹ جیسمین پیئیں گے۔''

کافی کینٹین اسی فٹ پاتھ سے ملحق اور قریب ہی تھا۔

آصف نے غصیلے انداز میں موٹر سائیکل کی سیٹ چھوڑی اور حمید کے ساتھ اس طرح چل پڑا کہ اُس سے ایک قدم آگے ہی رہے.....اس وقت اس پر ''سینیارٹی'' پھٹی پڑ رہی تھی۔

کینٹین میں ایک میز بھی خالی نہ دکھائی دی۔

''کیا مصیبت ہے!'' حمید بڑبڑایا۔ ''خالی جگہوں پر بنچیں ہی ڈلوا دی ہوتیں۔ خیر اب ہم..... یوکو ہاما چلیں گے۔''

''نہیں! سان فرانسسکو.....!'' آصف آنکھیں نکال کر بولا۔ ''جو باتیں کہنا چاہتا ہوں فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر بھی کہی جاسکتی ہیں۔''

''کم از کم چائے کی مٹھاس تو ہونی ہی چاہئے آپ کی باتیں سنتے وقت۔''

''تم کتنی ہی بکواس کیوں نہ کرو۔'' آصف واپسی کے لئے صدر دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ ''تمہیں تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ بعض اوقات تم دونوں بے حد تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔''

''میں پھر عرض کروں گا کہ صرف ایک ہی کو کہئے۔ آپ اسسٹنٹ کو کوئی الزام نہیں دے سکتے۔ وہ بے چارہ تو صرف احکامات بجالاتا ہے۔'' حمید بولا۔

اور وہ پھر فٹ پاتھ پر نظر آئے۔

آصف ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگانے لگا تھا۔

''نیاگرہ کیوں نہ چلیں۔'' حمید نے کہا۔

''دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ میں نیاگرہ جاؤں گا آپ کے ساتھ..... اس سردی میں۔''

''موٹر سائیکل یہیں چھوڑ دیجئے۔ گاڑی ہے میرے ساتھ۔''

''نہیں مجھے جو کچھ کہنا ہے یہیں کہوں گا۔''

''آخر آپ مجھ سے خفا کیوں رہتے ہیں جب کہ میں آپ کا اتنا احترام کرتا ہوں۔''

دفعتاً آصف نرم لہجے میں بولا۔ ''یہی تو میں بھی اکثر سوچتا ہوں۔''

''آپ کو سوچنا ہی پڑے گا..... یا پھر مجھے میرا قصور بتا دیجئے۔''

''قصور.....!'' آصف ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''قصور صرف یہ ہے کہ تم ایک بد دماغ اور مغرور آدمی کے ماتحت ہو اور تمہیں اس کی ہاں میں ہاں ملانی پڑتی ہے۔''

''یہ میرا نہیں بلکہ میرے مقدر کا قصور ہے جناب۔''

''ہاں..... ہاں..... یہ بھی درست ہے کسی حد تک۔''

''تو آپ براہِ راست مجھ سے خفا نہیں ہیں؟''

''میرا یہی خیال ہے۔'' آصف نے کہا۔

''تو پھر میری دعوت رد نہ کیجئے۔ نیا گرہ میں بڑا عمدہ پروگرام ہے۔''

''خیر چلو.....!'' آصف ڈھیلی ڈھالی آواز میں بولا۔

پھر موٹر سائیکل وہیں چھوڑ دی گئی اور وہ نیا گرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

حمید فریدی کی لنکن ڈرائیو کر رہا تھا۔

وہ دونوں ہی خاموش تھے۔ تھوڑی دیر بعد آصف بڑبڑایا۔ ''واقعی حیرت انگیز طور پر تیز رفتار ہے۔''

''لنکن کا جواب نہیں ہے جناب۔'' حمید بولا۔

''میں گاڑی کی بات نہیں کر رہا..... اُس کا تذکرہ ہے جو کتابیں اٹھا کر بھاگ جاتا ہے۔''

''اوہ.....!''

''عجیب اتفاق ہے..... آج وہ اسی بک سٹال پر حملہ کر بیٹھا جس کے قریب میں بھی موجود تھا۔''

''اچھا.....؟''

''چھلاوا ہے چھلاوا..... کتاب جھپٹی اور وہ گیا.....!''

''اور سنا ہے کہ اُسے چیر پھاڑ کر پھینک بھی دیتا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ابھی تک کی رپورٹ تو یہی ہے۔''

''آپ نے تو آج بچشم خود دیکھا ہوگا۔''

''یہ کون دیکھ سکا تھا..... میں تو آج اُسے پکڑ ہی لینا چاہتا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ غیر متوقع طور پر سامنا ہو جانے کی بناء پر آپ نے بہت زیادہ جلد بازی سے کام لیا ہوگا۔'' حمید بولا۔

''یہی سمجھ لو۔''

"آپ سے بچ کر کہاں جائے گا۔"

آصف کچھ نہ بولا۔ شائد وہ حمید کے اس جملے میں خلوص تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

پھر راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ وہ شہری آبادی کو پیچھے چھوڑ چکے تھے۔

رات سرد اور تاریک تھی۔ کُہر کی ہلکی سی تہہ فضائے بسیط پر مسلط تھی اور سڑک سنسان۔

آصف نے پھر سگریٹ سلگائی اور ایک طویل کش لے کر دھواں چھوڑتا ہوا بولا۔ "موٹر سائیکل پر تو واقعی شامت ہی آجاتی..... غضب کی سردی ہے۔"

"بٹیر و تیر کھایا کیجئے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"اس عمر میں پرندوں کا گوشت صحت کے لئے مفید ہے۔"

"چلو بٹیر ہی کھاؤں گا۔"

"آپ میرے مہمان ہیں..... کچھ بھی کھایئے۔"

جواب میں آصف کی "ہوں" معنی خیز تھی۔

پھر نیاگرہ تک پہنچنے کے دوران میں کچھ نہیں بولے تھے۔ نیاگرہ حسب دستور پوری طرح آباد تھا۔ ڈائننگ ہال میں کھڑے ہو کر تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ یہ ہوٹل شہر سے کافی فاصلے پر واقع ہے۔

"ہوں..... رک کیوں گئے؟" آصف نے حمید سے کہا، جو صدر دروازے کے قریب رک کر چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔

"دیکھ رہا ہوں کوئی معقول سی میز۔"

"معیار کیا ہے آپ کی معقولیت کا۔" آصف نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"میز کے آس پاس جاندار اور متحرک نباتات ہونی چاہئے۔"

"بے ہودگی میرے ساتھ نہیں چلے گی۔"

"تو پھر آپ ہی منتخب کیجئے۔" حمید نے پھر سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔

آصف نے ایسی میز منتخب کی جو نہ صرف دور افتادہ تھی بلکہ حمید کے نکتہ نظر سے آس پاس کی ''زرخیزی'' سے بھی محروم تھی۔

پھر حمید نے کافی کا آرڈر دیا ہی تھا کہ آصف بول پڑا۔ ''بٹیروں کی بات کرتے رہے تھے تم۔''

''نباتات کے بغیر بٹیریں۔'' حمید مردہ سی آواز میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

لیکن پھر اُسے کہنا ہی پڑا تھا۔

بٹیریں وہاں کی ''خاص ڈش'' سمجھی جاتی تھیں۔

آرڈر کی تعمیل ہو جانے کے بعد آصف نے حمید کو ایسی نظروں سے دیکھنا شروع کیا جیسے اب اس دعوت کا مقصد بھی معلوم کرنا چاہتا ہو۔

''کیسی ہیں بٹیریں.....؟'' حمید نے پوچھا۔ ''ہائیں آپ نے تو ابھی شروع ہی نہیں کیا۔''

''شروع کرنے سے پہلے مقصد معلوم کرنا چاہوں گا۔''

''کاہے کا مقصد.....؟''

''اسی دعوت کا.....!''

''ارے.....آپ ہی نے تو کہا تھا کہ کہیں بیٹھ کر اطمینان سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔''

''وہ گفتگو تو کل پر بھی ٹل سکتی تھی۔''

''سچ کہتا ہوں جناب۔ آپ سے جیتنا بھی مشکل ہے اور ہارنا تو ایسا ہے جیسے.....!''

''بٹیریں ٹھنڈی ہو رہی ہیں۔'' آصف بات کاٹ کر بولا۔ ''کم سے کم الفاظ میں مقصد بیان کر دو۔''

''میں متواتر چھ سات دنوں سے اس لڑکی کو دیکھ رہا ہوں یا اُس کے بارے میں رپورٹیں سن رہا ہوں؟''

''یہ کیا بکواس شروع کر دی۔'' آصف بگڑ کر بولا۔ ''کیا اس کا خیال بھی نہیں رکھ سکتے کہ میں عمر میں تم سے کتنا بڑا ہوں۔''

''اب تو یقیناً ٹھنڈی ہو جائیں گی بٹیریں۔'' حمید بڑبڑایا۔ پھر اونچی آواز میں بولا۔

''کیا آپ کو یاد نہیں کہ ایک لڑکی نے سارا کھیل بگاڑا تھا۔''

''کہاں کی ہانک رہے ہو.....!'' آصف نے ایک بٹیر کو فورک سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''خیر اگر آپ نے نہیں دیکھا تھا تو پھر اس تذکرے کی ضرورت ہی نہیں۔'' حمید نے بھی فورک سنبھالتے ہوئے کہا۔

''میں پوچھ رہا ہوں کہ کس لڑکی نے کون سا کھیل بگاڑا تھا۔''

''اب تو میں بڑی دشواری میں پڑ گیا ہوں۔'' حمید نے بہ آواز بلند سوچا۔

''کیسی دشواری.....؟''

''جب آپ کو ایک بات کا احساس ہی نہ ہو سکا تھا تو پھر میں خواہ مخواہ یقین دہانی کے چکر میں کیوں پڑوں.....؟''

''صاف صاف کہو.....!''

''وہ لڑکی جو موٹر سائیکل کے سامنے آئی تھی۔''

''کہاں.....؟ کب.....؟''

''یہ اس گلی کے موڑ کی بات ہے جہاں آپ نے اس دیوانے کا سراغ کھو دیا تھا۔''

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔'' آصف نے فریدی کے سے انداز میں حمید کی آنکھوں میں دیکھنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

حمید نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''تب تو..... مجھے سوچنے دو۔'' آصف نے پُر تفکر انداز میں کہا اور خلاء میں گھورتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ کوئی لڑکی ہی تھی.....اوہ میرے خدا۔''

''یہی نہیں..... بلکہ میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ ہمیشہ اسی لڑکی کی وجہ سے بچ نکلتا ہے۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ.....!''

''کھاتے رہئے.....ورنہ بٹیریں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ جی ہاں یہ میری عادت ہے۔ کوئی

دلچسپ کیس میرے پاس باقاعدہ طور پر نہ آئے تب بھی اس میں میری دلچسپی برقرار رہتی ہے اور میں اس کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں۔ پچھلے دنوں کی بات ہے میں نے انسپکٹر ملک کو اُن کے کیس کے بارے میں ایسی ٹپ دی تھی کہ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔''

آصف کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے کھاتا رہا۔ کافی ختم کر چکنے کے بعد بھی اُس کے ہونٹ بھنچے رہے۔ غالباً وہ مسلسل سوچے جارہا تھا۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔''تم نے کتنی بار اس لڑکی کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔''

''تین بار.....!''حمید نے جواب دیا اور پائپ سلگانے لگا۔

''تم نے یقیناً اس کا تعاقب کیا ہوگا؟''

''دو بار.....آج تو میں آپ کو اس کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔''

''فریدی سے بھی تذکرہ کیا ہوگا۔''

''یقیناً.....لیکن انہوں نے ذرہ برابر بھی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ آج کل وہ پھر لائبریری نشین ہورہے ہیں۔ آفس کے اوقات کے علاوہ اور سارا وقت کتب بینی میں صرف کررہے ہیں۔''

''بہرحال تم باقاعدہ طور پر اس لڑکی کی ٹوہ میں رہے ہوگے۔''

''میں اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ کیونکہ لڑکی غیر معمولی طور پر حسین بھی ہے۔''

''ظاہر ہے.....ویسے میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ آپ کو اس کے حسن سے متاثر کرنے کی کوشش کروں۔''

آصف نے اُسے گھور کر دیکھا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ حمید بھی دوسری طرف دیکھنے لگا تھا اور اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔

دفعتاً وہ اچھل پڑا.....اس طرح چونکنے پر آصف دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ پھر اس کی نظروں کا تعاقب کرتی ہوئی اس کی نگاہ اس لڑکی تک بھی جا پہنچی۔

حمید اسے متحیرانہ انداز میں دیکھے جارہا تھا۔

یہ لڑکی ابھی ابھی ہال میں داخل ہوئی تھی۔

آصف نے پھر حمید کی طرف دیکھا۔ اب حمید آنکھوں میں وہی متحیرانہ تاثر لئے آصف کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیوں.....کیا بات ہے؟'' آصف نے پوچھا۔

''مجھے حیرت ہے۔''

''کس بات پر.....؟''

''کافی اور پیجئے۔''

''میں پوچھ رہا ہوں تمہیں کس بات پر حیرت ہے۔'' آصف آنکھیں نکال کر بولا۔

''وہ بھی پہنچ گئی۔''

''کون.....؟''

''وہی لڑکی.....!''

''کیا بکتے ہو۔'' آصف نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا جو اب ایک خالی میز کے قریب کھڑی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے لڑکی کو بھی کسی کا انتظار ہو۔

دفعتاً حمید آہستہ سے بولا۔ ''اس طرح نہ دیکھئے اس کی طرف.....شائد ہمارا تعاقب کرتی ہوئی یہاں تک آئی ہے۔''

آصف اس طرح حمید کی طرف دیکھنے لگا جیسے مشورے کی معقولیت میں شبہ رہا ہو۔ حمید سر جھکا کر بجھا ہوا پائپ سلگانے لگا تھا۔

آصف کبھی کبھی کنکھیوں سے لڑکی کی طرف دیکھ لیتا۔ اب وہ تنہا نہیں تھی۔ متوسط عمر کا ایک قوی ہیکل آدمی بھی اس کی میز پر تھا۔

''بل ادا کر دو۔'' آصف نے حمید سے کہا۔

''کیوں.....کیا بیٹھیں گے نہیں؟'' حمید بولا۔

''جو کہہ رہا ہوں کرو۔ میں تمہارے اندیشے کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید نے کہہ کر طویل سانس لی اور بولا۔ ''ٹھیک ہے۔ تصدیق

کر لیجئے۔ ہوسکتا ہے میں آپ کو گمراہ کر رہا ہوں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں صرف اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔"

"او کے.....!" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور ویٹر کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ بل ادا کر کے وہ اٹھ گئے۔ باہر سردی بڑھ گئی تھی۔

آصف اس دوران میں دور ہی کھڑا رہا تھا۔ لیکن پارکنگ شیڈ سے جیسے ہی باہر آئی وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر حمید کے قریب بیٹھتا ہوا بولا۔ "وہ بھی پارکنگ شیڈ کی طرف آ رہے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ گاڑی کو کمپاؤنڈ کے پھاٹک کی طرف لیتا چلا گیا۔

"تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا ہے؟" آصف نے کچھ دیر بعد کہا اور پھر مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔

"کیا میں اس محاورے کی تشریح کروں؟" حمید بولا۔

"میرا خیال ہے پیچھے آنے والی گاڑی میں وہی دونوں ہیں۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ ورنہ آپ نہ جانیں کیا سوچیں۔"

آصف کچھ نہ بولا۔ راستہ طے ہوتا رہا۔ پشت پر صرف ایک گاڑی کے ہیڈ لیمپ نظر آ رہے تھے۔ اس کے پیچھے دور دور تک اور کوئی گاڑی نہیں تھی۔

"تو تم اس لڑکی کے ٹھکانے سے واقف ہو گے۔" آصف نے کہا۔

"ایک عمارت سے واقف ہوں لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ وہیں رہتی بھی ہوگی۔"

"دونوں بار وہ اسی عمارت میں گئی تھی۔"

"جی ہاں۔"

"تو پھر اس کے علاوہ اور کیا کہو گے وہ وہیں رہتی ہوگی۔"

"خدا جانے۔" حمید نے بے دلی سے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب وہ اس موضوع پر گفتگو نہ کرنا چاہتا ہو۔

شہر میں داخل ہو جانے کے بعد بھی وہ گاڑی اُن کے پیچھے لگی رہی اور ایک بار پھر آصف

نے اپنے شبہ کی تصدیق کرنی چاہی۔

اس کے لئے انہیں گاڑی روک کر آرلکچو میں داخل ہونا پڑا تھا اور اس بار آصف نے کافی کا آرڈر دیتے ہوئے حمید سے کہا تھا۔

''تم بھی کیا یاد کرو گے۔''

''میں تو ایسے بزرگوں کو ہر وقت یاد رکھتا ہوں۔'' حمید بولا۔

آصف صدر دروازے کی طرف دیکھے جارہا تھا۔ کچھ دیر بعد نیا گرا والی لڑکی یہاں بھی دکھائی دی۔ بھاری بھرکم آدمی اس کے پیچھے تھا۔

آصف نے طویل سانس لی اور پُر معنی انداز میں سر ہلانے لگا۔

''اب کیا خیال ہے.....!'' حمید نے پوچھا۔

''یقین کرنا ہی پڑے گا'' آصف پر تشویش لہجے میں بولا۔ ''تو یہ مردود مجھے شیڈو کررہے ہیں۔''

''میرے طرف سے اسے ٹپ ہی سمجھئے۔'' حمید بولا۔ ''اب آپ مجھے اپنے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہوا نہ پائیں گے۔''

''میں نے تمہاری حد تک کبھی بھی بُرے خیالات نہیں رکھے۔''

''میں سمجھتا ہوں۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''فریدی سے بھی کوئی ذاتی پرخاش نہیں.....بس اکڑ نہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ مجھے۔''

''بھلا میں کیا عرض کرسکتا ہوں۔ ماتحت کا تو مقدر ہی یہی ہے کہ ہر قسم کی اکڑ برداشت کرتا رہے۔''

پھر حمید نے شائد زبردستی ہی کافی زہر مار کی تھی۔ کافی ختم کرکے اُس نے کہا۔ ''چلئے آپ کو موٹر سائیکل تک پہنچادوں۔''

''ابھی ٹھہرو.....میں ان دونوں کی نگرانی کا انتظام تو کرادوں۔'' آصف اٹھتا ہوا بولا۔

''بہر حال اب میرا کام ختم ہوگیا.....آپ جانیں۔''

آصف کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔ یہاں ان دنوں گاہکوں کے لئے الگ ٹیلی فون

بوتھ کا انتظام ہوگیا تھا جس کی کنجی کاؤنٹر کلرک کے پاس رہتی تھی۔ یہ تبدیلی انتظامی اُمور کے تحت حال ہی میں ہوئی تھی۔ ورنہ پہلے گاہک بھی کاؤنٹر ہی کا فون استعمال کر لیتے تھے۔

آصف کنجی لے کر بوتھ کی طرف چلا گیا۔

اپنے کسی ماتحت کو فون پر اُن دونوں کا حلیہ ذہن نشین کرانے کے بعد اُس نے کہا۔ ''دس منٹ کے اندر اندر آرلکچنو کے گیٹ پر پہنچ جاؤ۔ میں فریدی کی لنکن میں ہوں گا اور اُن دونوں کی گاڑی لنکن کا تعاقب کر رہی ہوگی۔''

ریسیور رکھ کر وہ باہر نکلا۔ بوتھ مقفل کر کے کنجی کاؤنٹر کلرک کے سپرد کی اور پھر میزوں کی طرف مڑا ہی تھا کہ حمید کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔

''کمال ہوگیا۔'' قریب پہنچ کر وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''وہ دونوں تو چلے گئے لیکن ان کا وینٹی بیگ۔''

آصف کی نظر اُن دونوں کی میز کی طرف گئی۔ لڑکی کا سفید وینٹی بیگ رکھا دکھائی دیا اور پھر قبل اس کے کہ وہ مڑ کر حمید سے کچھ کہتا..... ایک زور دار دھماکہ ہوا اور وینٹی بیگ کے چیتھڑے اڑ گئے۔

آبلے

دھماکے کے ساتھ ہی کئی چیخیں بھی بلند ہوئی تھیں۔ میزوں کے الٹنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ لیکن کسے ہوش تھا کہ وہ اُن کے الٹنے کے مناظر بھی دیکھتا۔ خود آصف کے اعصاب اس دھماکے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

لوگ چیخ رہے تھے۔ اٹھ اٹھ کر بھاگ رہے تھے اور دھوئیں کا حجم تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ بھاگ بھی رہے تھے اور کھانس بھی رہے تھے۔

آصف کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کیسے عمارت سے باہر نکلا تھا اور کس طرح حمید نے اسے لنکن میں ٹھونس دیا تھا۔

گاڑی خاصی تیز رفتاری سے روانہ ہوئی تھی۔ سرد ہوا کے تھپیڑوں نے اسے احساس دلایا کہ وہ کسی نہ کسی طرح آرلکچو کی عمارت سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔

''اب ہم کہاں جارہے ہیں۔'' اُس نے پھنسی پھنسی سی آواز میں پوچھا۔

''وہیں جہاں آپ کی موٹر سائیکل چھوڑی تھی۔'' حمید نے جواب دیا۔

''لیکن ہم وہاں سے کیوں چلے آئے۔''

''رک ہی کر کیا کرتے؟''

''پھر بھی موقع واردات سے اس طرح بھاگ نکلنا ہمارے لئے مناسب نہیں تھا۔''

''اب کیا ہوسکتا ہے۔ آپ کو وہیں خیال دلانا چاہئے تھا۔''

آصف کچھ نہ بولا۔

بالآخر لنکن وہیں آپہنچی جہاں موٹر سائیکل کھڑی کی گئی تھی۔

''میں سوچتا ہوں موٹر سائیکل کسی کے حوالے کر کے یہ رات تمہارے ہی ساتھ گذار دوں۔'' آصف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

''میرے ساتھ..... ارے جناب یہ رہیں مونچھیں..... یہ ڈاڑھی..... پینٹ اور جیکٹ میں ہوں۔ شلوار اور جمپر میں نہیں۔''

''شٹ اپ.....!'' آصف خفت آمیز لہجے میں غرایا۔

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔'' حمید نے بے بسی سے کہا۔

''اب تم جہاں بھی چلنا چاہو مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔''

''بن گئی درگت.....!'' حمید کراہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''ظاہر ہے کہ آپ میرے ساتھ گھر جانے سے تو رہے۔''

''تمہاری راتیں زیادہ تر گھر سے باہر ہی گذرتی ہیں۔''

''آپ جیسوں کے ساتھ تو نہیں گذرتیں۔''

''کیا مطلب.....؟'' آصف نے آنکھیں نکالیں۔

''مم.....مطلب یہ کہ..... بب..... بزرگوں کے ساتھ تو نہیں گذرتیں۔''

''آج یہی سہی۔'' آصف سر ہلا کر مسکرایا اور حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔

پھر آصف نے دوسری سڑک سے ایک سفید پوش کانسٹیبل کو بلا کر موٹر سائیکل اس کے حوالے کی اور دوبارہ لنکن میں آ بیٹھا۔

''چلو اب کہاں چلتے ہو۔'' اُس نے حمید سے کہا اور حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

''تم نے سنا نہیں۔''

''بھلا میں آپ کو کہاں لے جاؤں۔''

''یہی تو میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ محکمہ سراغ رسانی کے لائق آفیسر اپنی راتیں کہاں گذارتے ہیں۔''

حمید کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف دیکھے جاسکتے تھے۔ آصف اسے تیکھی نظروں سے دیکھتا ہوا دوبارہ بولا۔ ''کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں۔ میں تمہارے مشاغل میں خلل نہیں ڈالوں گا۔''

''یہ بات نہیں.....آپ دراصل بوریت محسوس کریں گے۔''

''فکر نہ کرو.....چلو.....!'' آصف اُس کے شانے پر تھپکی دے کر بولا۔

حمید نے گاڑی اسٹارٹ کی اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اسٹیئرنگ کرتا رہا۔ خود اس نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔ لیکن آصف بولے جارہا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کی اس حرکت کو کس خانے میں فٹ کروں۔''

''میں تو سب کچھ غسل خانے میں فٹ کرتا ہوں۔'' حمید بول پڑا۔

''مضحکہ اڑا رہے ہو میرا۔''

''آپ سمجھے نہیں۔غور وفکر کے لئے غسل خانے سے بہتر اور کوئی مقام نہیں۔''

آصف ناخوشگوار لہجے میں کچھ بڑبڑایا تھا جسے حمید نہ سن سکا۔

گاڑی پھر شہری آبادی کو پیچھے چھوڑ رہی تھی۔

''اب کہاں جارہے ہو۔'' آصف نے چونک کر پوچھا۔

حمید کچھ نہ بولا۔

''کیا تم اونگھ رہے ہو۔میری بات کا جواب دو۔''

''سمجھ میں نہیں آتا.....آج کس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''نیکی کرنے کی بجائے کنویں میں چھلانگ لگادینا چاہئے۔''

''اخاہ.....تو مجھ پر کارگذاری کا رعب ڈالا جارہا ہے۔''

''نہیں.....انکل ڈیئر.....میں تو اپنی قسمت کو رو رہا ہوں۔''

''میں پوچھ رہا ہوں تم جا کہاں رہے ہو۔''

''میں آج کل رات بھر خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کررہا ہوں۔ چھ ماہ سے کوئی رات چھت کے نیچے نہیں گذاری۔''

''پھر بھی.....ہم کہاں جارہے ہیں؟''

''وہ دیکھئے سامنے روشنی نظر آرہی ہے.....وہی ہے میری منزل۔''

''اوہ.....ہے تو..... یہاں اس ویرانے میں..... یہ کیا بلا ہے!''

''بے فکروں کا کیمپ۔''

''کیا مطلب.....؟''

''بس دیکھ لیجئے گا۔''

گاڑی پختہ سڑک سے کچے میں اتر رہی تھی۔

آصف پھر بڑبڑانے لگا تھا۔لیکن حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر اسٹیئرنگ کرتا رہا۔

پھر وہ ان خیموں کے درمیان جا پہنچے جہاں کئی پٹرومیکس لیمپ روشن تھے۔ایک جگہ بہت بڑا الاؤ جل رہا تھا جس میں لکڑی کے بڑے بڑے کندے چیخ رہے تھے۔

کچھ لوگ الاؤ کے گرد کرسیاں ڈالے بیٹھے نظر آئے۔

وہ دونوں گاڑی سے نہیں اُترے تھے۔آصف نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پر معنی انداز میں پوچھا۔''یہاں کیا ہو رہا ہے۔''

''سب کنوارے ہیں۔آپ بے فکر رہیں۔'' حمید نے جواب دیا۔

''میری باتوں کا جواب دیتے وقت محتاط رہا کرو۔'' آصف جھنجھلا کر بولا۔

حمید نیچے اُترنے کے لئے دروازے کا ہینڈل گھما رہا تھا۔

مجبوراً آصف کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ الاؤ کے گرد بیٹھے ہوئے لوگ انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

''ارے.....اپنا کیپٹن ہے۔'' ان میں سے کسی نے بہ آواز بلند کہا۔

اور پھر انہوں نے آگے بڑھ کر دونوں کو گھیرے میں لے لیا۔

''کیپٹن.....ایک واردات ہو گئی ہے۔'' ان میں سے ایک بولا۔

''واردات کو جہنم میں جھونکو۔'' دوسرا کسی قدر غصیلی آواز میں بولا۔''یہ صاحب جوان کے ساتھ آئے ہیں کنوارے نہیں معلوم ہوتے۔''

آصف نچلا ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

''کنوارے ہی ہیں۔'' حمید لاپروائی سے بولا۔''کس قسم کی واردات ہوئی ہے؟''

''ایک شادی شدہ آدمی کی موجودگی میں ہم گفتگو نہیں کریں گے۔'' وہی آدمی غرایا جس نے آصف کی موجودگی پر اعتراض کیا تھا۔

''یہ کیا بکواس ہے؟'' آصف حمید پر الٹ پڑا۔

''میں نے پہلے ہی آپ سے عرض کیا تھا کہ وہ جگہ آپ کے لئے مناسب نہ ہوگی۔ جہاں میں آج کل رات بسر کرتا ہوں۔''

''واپس چلو۔''

''میرا خیال ہے۔'' حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن ایک آدمی نے بیچ ہی سے اس کی بات اڑا کر آصف سے کہا۔ ''صاحب! آپ کی بیوی مر چکی ہو تب بھی ہم آپ کو برداشت کرلیں گے۔''

''کیا بیہودگی ہے۔'' آصف حمید کو پھاڑ کھانے دوڑا۔

''یقیناً آپ کی بیوی زندہ ہے ورنہ آپ بھی ہماری ہی طرح ٹھنڈے دماغ والے ہوتے۔'' ایک کنوارا بولا۔

''شٹ اپ.....!'' آصف نے تن کر اُسے للکارا اور وہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنس کر خاموش ہو رہا۔

اب وہ سب ہی خاموش کھڑے آصف کو اس طرح گھور رہے تھے جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہو۔

''بعض حالات میں اصولوں سے انحراف بھی کیا جاسکتا ہے۔'' حمید نے مخاطب کیا۔

''وہ کس قسم کے حالات ہوسکتے ہیں مسٹر کیپٹن.....؟'' ایک نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

''فرض کرلو.....میں صرف نام کا شوہر ہوں۔''

''یو ڈرٹی میٹ.....!'' آصف دانت پیس کر بڑبڑایا۔

لیکن حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر کہتا رہا۔ ''کچھ لوگ والدین کے ڈر سے شادی کرلیتے ہیں.....دل سے شوہر نہیں ہوتے۔''

''تم بکواس بند نہیں کرو گے۔'' آصف نے حمید کی ٹائی پکڑ کر جھٹکا دیا۔

''ارے صاحب! خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔'' ان میں سے ایک نے آصف کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ''ہم کیپٹن حمید کی خاطر آپ کو برداشت کرنے پر تیار ہیں۔''

پھر آصف نے سوچا کہ خواہ مخواہ نکو بننے سے فائدہ.....اُسے دماغ ٹھنڈا رکھنا چاہیے۔ ورنہ یہ لوگ اُسے چٹکیوں میں اڑادیں گے۔ اُس نے حمید کی ٹائی چھوڑ کر جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے الاؤ میں چٹختے ہوئے کندوں کی طرف دیکھنے لگا۔

''صاحب..... غصہ بُری چیز ہے۔'' ایک کنوارا کہہ رہا تھا۔ ''لیکن شادی شدہ لوگوں کا طرہ امتیاز بند کر رہ جاتا ہے۔''

آصف کچھ نہ بولا۔ وہ سگریٹ سلگا رہا تھا۔

پھر اُن لوگوں نے حمید کے بکرے کی خیریت دریافت کی اور یہ معلوم کر کے کہ وہ ان دنوں زکام میں مبتلا ہے اُسے تسلیاں دیتے رہے۔

''جوشاندہ ہرگز نہ پلانا۔'' ایک بولا۔ ''نزلہ خشک ہو جائے گا۔''

دوسرا بولا۔ ''حکیم وحید کو دکھا دو۔ بکروں کی نفسیات کے بھی ماہر ہیں۔ ابھی حال میں ہی بکروں کی پرورش و پرداخت کے بارے میں ایک رسالہ بھی نکالا ہے۔''

''کس بے درد کا تذکرہ چھیڑ دیا تم نے۔'' تیسرے نے کہا۔ ''خمیرہ مروارید میں مروارید کے علاوہ اور سب کچھ ڈلواتے ہیں۔ البتہ پیکنگ شاندار ہوتا ہے۔ لہٰذا میرا خیال ہے کہ تم بکرے کو بہتر سے بہتر لباس پہناؤ۔ اللہ نے چاہا تو نزلہ رفع ہو جائے گا اور قوم بھی تمہاری اس دانشمندی پر واہ واہ کرے گی۔''

''آپ کی کتیا کا کیا حال ہے؟'' حمید نے اس سے پوچھا۔

''مارتھا نام ہے اُس کا۔'' اُس نے بُرا مان کر کہا۔

''آئی ایم سوری..... محترمہ مارتھا کے مزاج کیسے ہیں۔''

''دن رات بھونکتی رہتی ہے۔ پتہ نہیں کیا دکھ ہے بے چاری کو۔''

''میں کہتا ہوں میرے آرتھر.....!'' ایک نے کچھ کہنا چاہا لیکن ''مارتھا'' والا بھڑک اٹھا۔ ''بس خاموش۔ اس کتے کی بات نہ کیجئے۔''

''آرتھر نام ہے۔'' وہ غرایا۔

''کیوں کیپٹن تم نے دیکھا ہے اُس خارش زدہ کتے کو جس کا نام انہوں نے آرتھر رکھا ہے۔''

''بس بس بہت ہو چکا۔''

''کیا کریں گے آپ۔'' دوسرے نے نتھنے پھلائے۔

''اب کیا کتوں کے والدین لڑ پڑیں گے آپس میں۔'' آصف نے بے حد زہریلے لہجے میں کہا۔

''جی ہاں..... آپ سے اپنے بچے نہیں پالے جاتے۔ ہم کتے پالتے ہیں اور انہیں بہترین تربیت دیتے ہیں۔ طنز نہ فرمایئے ہم پر.....!''

''حمید تم کتنی دیر ٹھہرو گے یہاں؟'' آصف غرایا۔

''ذرا ایک صاحب کی بلیوں کی خیریت بھی دریافت کرلوں۔'' حمید نے ایک خیمے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''آپ بھی آیئے۔''

خیمے میں پیٹرومیکس جل رہا تھا۔ یہاں دو آدمی نظر آئے۔ لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ معمر آدمی سامنے بیٹھے ہوئے نوجوان کو کچھ سمجھا رہا تھا۔

حمید نے بیانگ دہل ایک عدد ''سلام'' رسید کر کے ان کی خیریت دریافت کی۔

''صاحب زادے کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' معمر آدمی نے سلام کا جواب دیئے بغیر نوجوان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''کب.....؟'' حمید نے معصومیت سے پوچھا۔

''بہت دنوں سے خراب تھا۔ مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے۔'' معمر آدمی نے جواب دیا۔

اس نے انہیں بیٹھنے کو بھی نہیں کہا تھا۔ حمید نے خود ہی آصف کے لئے کینوس کی ایک فولڈنگ کرسی پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''تشریف رکھئے۔''

معمر آدمی نے آصف کی طرف دیکھا تک نہیں۔ وہ تو اس نوجوان کو اب بھی گھورے جارہا تھا۔ دفعتاً وہ اس پر برس پڑا۔

''عقل کے ناخن لو برخوردار..... محبت اپنی جگہ پر ایک ہمہ گیر جذبہ ہے۔ اگر تمہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ تم اس لڑکی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تو یہ محبت ہرگز نہیں ہے بلکہ رقابت کا خوف ہے۔ کہیں کوئی اور نہ لے اڑے۔ اگر کوئی اور لے اڑا تو اس سے تمہاری انا کو ٹھیس لگے گی اور تم خودکشی کرلو گے۔''

''مجھے اس سے پاک محبت ہے۔'' نوجوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ابھی تک محبت تھی۔اب پاک بھی ہوگئی۔تو کیا کوئی ناپاک محبت بھی ہوتی ہے۔''

نوجوان کچھ نہ بولا۔

''جواب دو۔'' بوڑھا غرا کر کھڑا ہوگیا۔

''ارے صاحب جانے دیجئے۔'' آصف جلدی سے بول پڑا۔''صاحب زادے ہیں۔ آپ نے بھی اپنی عمر میں.....!''

''جی نہیں۔اگر میں نے اپنی عمر میں کچھ کیا ہوتا تو یہ ''میرے'' صاحب زادے ہوتے۔ کیپٹن حمید پلیز.....کیا آپ کسی شادی شدہ آدمی کو ہمارے کیمپ میں لائے ہیں۔''

''بیوی مرچکی ہے۔'' حمید تڑ سے بولا۔

''شٹ اپ..... یوایڈیٹ.....'' آصف کو سچ مچ غصہ آ گیا۔

''خدا کی قسم یہ شخص شادی شدہ معلوم ہوتا ہے اور بیوی بھی زندہ ہے۔''

''خاموش رہو۔'' آصف آنکھیں نکال کر بولا۔''میں بے تکلفی کا عادی نہیں۔ہوسکتا ہے تم کیپٹن حمید کے دوست ہو۔لیکن میں تمہارے لئے اجنبی ہوں۔''

''بالکل شادی شدہ۔میں شرط لگا سکتا ہوں۔'' بوڑھا سر ہلا کر بولا۔

''چلو یہاں سے۔'' آصف حمید کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا چیخا۔

پھر وہ اسے کھینچتا ہوا خیمے سے باہر نکال لایا۔

''کل ہی ان مردودوں سے سمجھ لوں گا۔'' وہ گاڑی میں بیٹھ کر ہانپتا ہوا بولا۔

''دنیا کے مظلوم ترین لوگ ہیں جناب۔'' حمید نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''جرائم پیشہ معلوم ہوتے ہیں۔کل ہی سے نگرانی شروع کراتا ہوں ان کی۔''

''کیا ہاتھ آئے گا۔''

''کس کی اجازت سے انہوں نے کیمپنگ کی ہے؟''

''وہ اپنی زمین پر جو کچھ چاہیں کرسکتے ہیں۔کیا آپ نے نواب مشرف کو پہچانا نہیں۔''

''نواب مشرف۔''

''ہاں.....شہر کا سب سے بڑا کنوارا۔''

''تو وہ بوڑھا نواب مشرف تھا۔''

''جی ہاں۔''

''یہ کیا لغویت پھیلا رکھی ہے اس نے۔''

''شہر کے نامی گرامی کنواروں کا کلب بنا ڈالا ہے۔ان میں کوئی بھی معمولی حیثیت کا نہیں ہے۔''

''تم مجھے یہاں اُلو بنانے لائے تھے؟''

''کس طرح یقین دلاؤں کہ میں آج کل یہیں رات بسر کرتا ہوں۔''

''تمہارے قبلہ وکعبہ بھی تو نامی گرامی کنواروں میں سے ہیں۔وہ نہیں تشریف رکھتے یہاں۔''

''وہ شخص تو ہر معاملے میں عدیم المثال ہے۔خیر چھوڑیئے۔اب میں آپ کو بے حد دلچسپ جگہ پر لے چلوں گا۔''

''نہیں .....مجھے گھر پہنچا دو۔!'' آصف نے غصیلی آواز میں کہا۔

''یہی کمزوری ہے ازدواجی کی.....!''

''بکواس کرو گے مجھ سے۔''

''مجھے تسلیم کہ آپ میرے بزرگ ہیں۔سینئر بھی ہیں۔لیکن میری طرح قلندری نہیں کر سکتے۔میں تو کہتا ہوں بیوی بچوں کو ماریئے گولی۔''

''کبھی اپنے باپ سے بھی یہی کہو۔''

''کئی بار کہہ چکا ہوں کہ مرد بنئے۔والدہ محترمہ کی سلواتیں کان دبا کر نہ سنا کیجئے۔لیکن سر میں جوئیں ہوں تو ایک آدھ کان پر بھی رینگے۔''

''یہ کدھر موڑ رہے ہو گاڑی.....میں گھر جاؤں گا۔''

''یہ کیسے ممکن ہے.....اب تو میں آپ کو خوش کر دوں گا۔''

''نہیں نہیں.....میرے چھوٹے بچے کی طبیعت ٹھیک نہیں۔''

''چھوٹے بچے کو بھی ماریئے گولی۔ کیا وہ بڑا ہو کر جورو کا غلام نہ کہلائے گا۔''

''کیا تم میرے ہاتھوں پٹنا چاہتے ہو۔''

''دس جوتے مار لیجئے۔ لیکن اب تو بیوی بچوں کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔''

''شٹ اپ.....!''

''آپ جیسے سنجیدہ اور باوقار آدمیوں کو بیوی بچے بالکل سوٹ نہیں کرتے۔ واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ انسپکٹر آصف آف سنٹرل انٹیلی جنس کسی چنے منے کے ابا کہلائیں۔ لاحول ولاقوۃ!''

''اگر اب تم نے بکواس بند نہ کی تو.....!''

''میں آپ کے لئے ایک عدد محبوبہ بھی مہیا کر سکتا ہوں۔''

''حمید میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔'' اس بار آصف نے ایسے لہجے میں کہا جس میں غصے کی جھلک تو موجود تھی لیکن یہ خواہش بھی اس سے مترشح ہوتی تھی کہ وہ اس قسم کی گفتگو کئے ہی جائے۔

''انگریزی فلموں کے سراغ رسانوں کو دیکھئے.....ایک ہاتھ میں بوتل ہے تو دوسرے میں کسی چھپکلی نما پرکٹی کا بازو.....موڈرن بنئے موڈرن.....انکل ڈیئر ورنہ زندگی محال ہو جائے گی۔''

''یعنی تمہاری طرح کلبوں اور ہوٹلوں میں ناچتا پھروں۔''

''میرے خدا.....؟'' دفعتاً حمید چونک کر بولا۔ ''ہم آخر کیا کرتے پھر رہے ہیں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''کیا آپ اس دھماکے کو بھول گئے۔''

''نہیں..... مجھے یاد ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ یہ بھی تمہاری ہی شرارت تھی۔''

''میری شرارت.....؟''

''یقیناً.....کیا یہ ممکن نہیں کہ تم نے پہلے ہی سے کوئی ایسی لڑکی تیار کر رکھی ہو جو میری توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکے۔''

''بھلا میں ایسا کیوں کرنے لگا۔''

''کیونکہ یہ حیرت انگیز کیس تمہارے باس کے سپرد نہیں کیا گیا۔لہٰذا تم مجھے غلط راستے پر ڈالنا چاہتے ہو۔''

حمید نے قہقہہ لگایا اور بولا۔''سچ پوچھئے تو میں یہی سوچ رہا تھا کہ آپ فوری طور پر اسی نتیجے پر پہنچے ہوں گے۔''

''کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟'' آصف نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

''شائد میں فی الحال آپ کی غلط فہمی رفع نہ کرسکوں۔''

''لونڈے ہو..... یہ انداز گفتگو مجھے مطمئن نہیں کرسکتا۔''

''اچھا جناب.....!'' حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔

گاڑی شہری آبادی کے قریب ہوتی رہی۔

حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔''انکل ڈیئر..... میں واقعی بڑا احمق ہوں۔ مجھے کیا ضرورت تھی آپ سے تذکرہ کرنے کی۔''

''بات نہ بناؤ..... میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔''

''تو پھر میں آپ کو گھر چھوڑ دوں۔''

''ہاں.....!'' آصف کی غراہٹ حمید کو بھی شائد گراں گذری تھی اور اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے تھی۔

حمید نے گاڑی دوسری طرف سڑک پر موڑ دی۔ سڑک سنسان تھی۔ دور دور تک ٹریفک کا پتہ نہیں تھا۔ یہ سڑک ایسی بستی سے گذرتی تھی جہاں متوسط طبقے کے لوگ آباد تھے۔

دفعتاً حمید نے عقب نما آئینے میں تیز قسم کی روشنی دیکھی اور اس کی آنکھیں چندھیانے لگیں۔ گاڑی کی پوزیشن بھی ساتھ ہی تبدیل کرنی پڑی تھی۔ کیونکہ وہ پیچھے آنے والی اس تیز رفتار گاڑی کو راستہ دینا چاہتا تھا جس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی نے عقب نما آئینے کے ذریعہ اس کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کی تھی۔

گاڑی قریب سے گذر کر بالکل اس کے سامنے آ گئی۔لیکن بے خیالی میں اس کے پیچھے

لگا رہا۔ اس نے ذرہ برابر بھی اُسے اہمیت نہیں دی تھی۔ لہٰذا اس سے بے خبر رہا کہ آہستہ آہستہ اس کی رفتار کم ہوتی جارہی ہے۔ پھر ایک ایسا مرحلہ بھی آیا جہاں خود اُسے ہارن دے کر اگلی گاڑی سے آگے نکل جانے کی ضرورت پیش آئی۔

اگلی گاڑی نے اپنی پوزیشن برقرار رکھتے ہوئے اُسے راستہ بھی دے دیا۔ حمید نے بڑی احتیاط سے اسٹیئرنگ گھمایا اور شائد صرف چھ انچ کے فاصلے سے آگے نکل جانے کی کوشش کر رہی رہا تھا کہ آصف چیخ مار کر دھڑام سے اس پر آ گرا۔

اسٹیئرنگ پر ہاتھ بہکا اور گاڑی دائیں جانب کچے میں اتر کر ایک مکان سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ بڑے سچے بریک لگے تھے۔

اس نے غیر شعوری طور پر انجن کا سوئچ آف کر دیا۔

آصف ڈیش بورڈ سے سر ٹکائے بُری طرح کراہ رہا تھا۔ حمید نے گاڑی کے اندر روشنی کر دی۔

''ارے مرا..... ارے مرا..... ہاسپٹل ..... ہاسپٹل .....!'' آصف نے بدستور سر جھکائے ہوئے چیخ کر کہا۔ اس چیخ سے تکلیف کی شدت صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

''کیا ہوا..... کیا بات ہے؟''

''آگ لگی ہوئی ہے..... پورے چہرے میں..... میں آنکھیں نہیں کھول سکتا۔''

''آخر ہوا کیا؟''

''چلو.....!'' وہ بدستور سر جھکائے ہوئے چیخا۔

اور حمید نے اضطراری طور پر انجن اسٹارٹ کر کے ایکسیلریٹر پر دباؤ ڈالا۔ گاڑی جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی اور اس کا بمپر سامنے والی دیوار سے ٹکرا ہی گیا۔ لیکن پھر بڑی پھرتی سے اس نے بریک لگائے تھے۔ ورنہ بمپر کے بعد باڈی ہی کی باری ہوتی۔

ریورس گیئر میں گاڑی کو ڈال کر وہ پھر سڑک تک آیا اور اب پھر گاڑی کا رخ شہر ہی کی طرف تھا۔

''ارے میرے خدا.....!'' آصف کراہا۔ ''آگ لگی ہوئی ہے۔'' پھر وہ اپنے ذہن کو قابو

میں رکھنے سے عاری نظر آنے لگا تھا۔ جو کچھ منہ میں آ رہا تھا کہے جا رہا تھا۔ ذلیل کمینے..... تیری بدولت..... تیری بدولت..... ہائے شائد میں اپنی آنکھیں بھی کھو بیٹھا ہوں۔"

"آصف صاحب..... جناب مجھے بتایئے..... کک..... کیا بات ہے؟" حمید بوکھلا گیا۔

"جلد سے جلد..... ہاسپٹل ..... ہائے.....!"

حمید نے رفتار بڑھائی۔ اب زیادہ تر سڑکیں قریب قریب سنسان ہی ہو چکی تھیں۔ اس لئے حمید کو کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ لنکن فراٹے بھر رہی تھی۔

"اوہ..... کیا تم سچ مچ میری موت چاہتے ہو۔" آصف کچھ دیر بعد چیخا۔

"ہر امکانی کوشش کر رہا ہوں جناب۔" حمید نے کہا۔

"جلدی..... جلدی..... جلدی.....!"

"جادوئی اڑن قالین لاؤں آپ کے لئے۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"میں تمہیں جان سے مار دوں گا..... ذلیل..... خاموش رہو۔"

"آصف صاحب بہت ہو چکا..... اب زبان کو قابو میں رکھئے۔"

آصف کی زبان سے پھر مغلظات کا طوفان امنڈ پڑا۔

حمید متحیر تھا۔ آصف کا اس حد تک جانا بھی غیر معمولی ہی بات تھی۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ اُس کی آواز ڈھیلی پڑتی گئی اور پھر وہ بالکل ہی خاموش ہو گیا۔

اور پھر سول ہسپتال پہنچ کر تو حمید کے پیروں تلے سے زمین ہی نکل گئی۔ آصف کا چہرہ چھوٹے بڑے آبلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور اس پر مکمل بے ہوشی طاری تھی۔!

ڈیڈی

کرنل فریدی کیپٹن حمید کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ حمید کبھی اس کی طرف دیکھتا اور

کبھی اس کی نظروں کی تاب نہ لاکر آنکھیں چرانے لگتا۔

''تم سے کس نے کہا تھا کہ آصف کے لئے اطلاعات فراہم کرو۔'' بالآخر وہ گمبھیر آواز میں بولا۔

''کک..... کسی نے بھی نہیں۔''

''کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اس کے معاملات میں دخل اندازی کرو۔''

''نہیں تو.....!''

''تو پھر.....؟''

''تم یہ سب کچھ کیوں کرگذرے۔''

''بب.....بس یونہی۔''

''لوگ کہہ رہے ہیں کہ آصف میری کسی سازش کے تحت اس حال کو پہنچا ہے۔''

''آپ بھی کمال کرتے ہیں۔لوگوں سے ہمیں کیا سروکار.....اُن لوگوں کا داماد تو بننا نہیں ہے ہمیں کہ کسی قسم کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''شٹ اپ.....!''

''اوکے باس.....!'' حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

فریدی کے چہرے پر درشتی کے آثار تھے۔دوسری طرف منہ پھیر کر اُس نے بجھا ہوا سگار سلگایا اور کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوا کسی خیال میں الجھ کر رہ گیا۔

آہستہ آہستہ درشتی کے آثار غائب ہوتے جارہے تھے۔حمید کنکھیوں سے اُسے دیکھتا رہا اور جب یقین ہوگیا کہ اب اس کا ذہن کسی اور معاملے میں الجھ گیا ہے تو اس نے زیرِ لب کچھ گنگناتے ہوئے اپنے پائپ میں تمبا کو بھرنا شروع کیا۔

اور پھر جب وہ پائپ سلگا رہا تھا فریدی اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

''کیا آج تم آصف کو دیکھنے گئے تھے۔''

''نہیں.....ابھی نہیں جاسکا۔'' حمید بولا۔

''چہرے کے آبلوں نے گہری نیلی رنگت اختیار کر لی ہے اور ایک آنکھ سے وہ قطعی نہیں دیکھ سکتا۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرا اس میں کیا قصور ہے۔''

''قصور.....!'' فریدی اُسے گھور کر رہ گیا۔

''شہر میں کچھ غیر معمولی وارداتیں ہو رہی تھیں۔ کیا میری تشویش غیر فطری تھی۔ میں نے ان چیزوں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر لیں جن کا علم آصف کو بھی نہیں تھا۔ پھر اگر میں نے اُسے آگاہ کر دیا تو اس میں کیا برائی تھی۔''

''اگر ایک لڑکی بھی ان معلومات میں شامل نہ ہوتی تو مجھے یقین ہے کہ تم بڑی بے تعلقی سے اپنی راہ لگتے۔''

''چلئے یہی سہی۔''

''تسلیم کرو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید نے طویل سانس لی۔

''اور کیا جانتے ہو اس کیس کے بارے میں؟'' فریدی نے کسی قدر طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

''لڑکی.....لڑکیاں.....لڑکیوں.....!''

''شٹ اپ.....!''

حمید نے شانوں کو جنبش دی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''اس کیس کا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہی مصنف کی ایک کتاب کا مخصوص ایڈیشن بک اسٹالوں پر سے اٹھاتا پھر رہا ہے۔''

''نہیں.....!'' حمید کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

''صرف ایک کتاب..... مجھے حیرت ہے کہ آصف نے اس پر دھیان نہیں دیا۔''

''تو آپ پہلے ہی سے اس کیس میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔''

''ہرگز نہیں۔'' میں نے اس کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا۔

''تو پھر.....!''

''پچھلے دو دنوں سے مجھے اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا ہے.....وہ بھی تمہاری وجہ سے..... نہ تم اپنی ٹانگ اڑاتے اور نہ مجھے اپنی موجودہ مصروفیات ترک کرنی پڑتیں۔''

''تو وہ ایک کتاب ہے۔''

''ہاں..... جیرالڈ آرتھر کی کتاب ''سلور بلٹ'' کا پہلا ایڈیشن.....جس کے سرورق پر ایک بوڑھی عورت کی تصویر ہے اور ایک لاش کی.....عورت کے ہاتھ میں پستول ہے۔''

''لیکن آپ اتنی جلدی اس نتیجے پر کیسے پہنچ گئے کہ وہ ابھی تک صرف ایک ہی مصنف کی کوئی مخصوص کتاب اٹھاتا آ رہا ہے۔''

''آنکھیں کھلی رکھ کر کام کیا جائے تو اہم ترین نکتے فوراً ہی سامنے آ جاتے ہیں۔ میں نے ان سارے بک سیلرز سے رابطہ قائم کیا جن کے اسٹالوں پر واقعات پیش آئے تھے اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ ایک کتاب اٹھائی جاتی رہی ہے۔''

فریدی نے میز کی ایک دراز سے ایک کتاب نکال کر حمید کے سامنے ڈال دی۔

''سلور بلٹ'' جیرالڈ آرتھر کی تازہ ترین کتاب تھی۔ سرورق خوبصورت تھا۔ پیش منظر میں ایک بوڑھی عورت کی تصویر تھی جس کے ہاتھ میں پستول تھا اور پس منظر میں ایک آدمی اوندھا گرتا نظر آ رہا تھا۔ جس کے نیچے خون پھیلا ہوا تھا اور ایک دروازہ..... دروازے کے باہر کافی فاصلے پر ایک دھندلا سایہ.....حمید اُسے یونہی بے خیالی میں دیکھتا رہا پھر ایک طرف سرکاتا ہوا بولا۔ ''گٹ اپ خاصا اچھا ہے۔''

''ابھی تک ایک بھی بک سیلر ایسا نہیں ملا جس نے اس کتاب کے علاوہ کسی اور کے بارے میں اٹھایا جانا بتایا ہو۔''

''صرف ایک کاپی؟''

''ضروری نہیں.....ایک دوکان پر تلے اوپر دس کاپیاں رکھی ہوئی تھیں اور اس نے ساری ہی اٹھا لے جانے کی کوشش کی تھی۔''

''اور آصف اس بات کو نظر انداز کر گیا تھا۔''

''جب کوئی خاص نظریہ قائم کرلیا جائے تو پھر اُسی سے متعلق تفاصیل پر نظر رہتی ہے کسی اور جانب خیال جاتا ہی نہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

ان وارداتوں سے متعلق عام نظریہ یہی تو ہے نا کہ چوروں اور گرہ کٹوں کا بہت بڑا گروہ اس حرکت کے سہارے اپنا کام کر جاتا ہے..... کتاب اٹھا کر بھاگنے والے کی وجہ سے افراتفری مچتی ہے اور لوگوں کی جیبیں کٹ جاتی ہیں۔ دوکانوں سے قیمتی اشیاء غائب ہوجاتی ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ آصف بھی یہی نظریہ رکھتا ہے۔'' حمید بولا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے بولنے والے کی بات وہ غالباً گہری توجہ سے سن رہا تھا کیونکہ اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ خود اُس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ صرف ''ہوں.....ہوں'' کرتا جارہا تھا۔

پھر ریسیور رکھ کر اُس نے ایک طویل سانس لی اور مسکرا کر بولا۔

''وہ صرف اس تصویر کا رسیا معلوم ہوتا ہے۔''

''کون..... کس تصویر کا رسیا.....؟''

''کیا تم اونگھ رہے ہو.....!''

''نہیں تو۔''

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''ابھی ہم اس آدمی ہی کے متعلق تو گفتگو کرتے رہے تھے جو بک اسٹالوں سے کتابیں لے بھاگتا ہے۔''

''جی ہاں..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔''

''یہ تصویر.....!'' فریدی نے کتاب کے سرورق کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا مطلب.....؟'' حمید چونک پڑا۔

''تازہ ترین اطلاع ہے کہ وہ صرف یہ تصویر پھاڑ لے جاتا ہے اور کتاب راستے ہی میں

کہیں پھینک دیتا ہے۔"

"میں یقین کرنے پر تیار نہیں۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اس کی وجہ بلند اقبال؟"

"آپ شروع سے تو اس کیس کو دیکھتے نہیں رہے۔ پھر وہ تفصیلات کہاں سے ہاتھ لگیں جن کی طرف آصف نے بھی توجہ نہیں دی تھی۔"

"اپنے اپنے ذرائع ہوتے ہیں۔"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ "پھر بھی کیا بات بنی اس تصویر میں کیا رکھا ہے۔"

"یہی تو دیکھنا ہے۔"

"آپ ہی دیکھیں گے۔"

"قطعی..... باضابطہ طور پر نہ دیکھ سکا تو نجی طور پر دیکھنا پڑے گا۔ شائد تم نے ساتھیوں کی چہ میگوئیاں نہیں سنیں۔"

"کیسی چہ میگوئیاں.....؟"

"سب کا یہی خیال ہے کہ آصف میری وجہ سے اس حال کو پہنچا ہے اور خود آصف بھی یہی سوچ رہا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ راکھ دان میں پائپ جلا ہوا تمبا کو جھاڑ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر بولا۔ "لیکن یہ سب کچھ بے حد مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔"

"مضحکہ خیز کیوں؟"

"ہوٹل والا دھماکہ.....اور آصف کے ساتھ یہ حرکت..... کیا یہ غیر ضروری اور بے مقصد نہیں معلوم ہوتا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے خود بھی کئی بار یہی سوچا تھا۔ آخر دھماکہ کیوں؟ کیا مقصد تھا اس کا.....اور پھر آصف کے چہرے پر کوئی زہریلا مادہ پھینکا گیا۔ آخر کیوں؟ اگر وہ اتنے ہی

جیالے ہیں تو پھر فائر ہی کر دینے میں کیا دشواری تھی ان لوگوں کو..... سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے گولی بھی اسی آسانی کے ساتھ چلا سکتے تھے جس طرح زہریلا مادہ پھینکا گیا۔

''کیا سوچنے لگے؟'' دفعتاً فریدی بولا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ.....!''

فریدی سگار سلگانے لگا تھا۔ حمید اُسے بغور دیکھتا رہا۔ نظریں ملیں تو خشک لہجے میں بولا۔

''اس لڑکی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''آنکھیں ذرا کچھ اور بڑی ہوتیں تو غضب کی چیز تھی۔''

''دماغ تو نہیں چل گیا۔'' فریدی آنکھیں نکال کر بولا۔

''کیوں.....؟''

''بکواس مت کرو۔''

''کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی۔''

''تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تم سے بات کی جائے۔''

''اچھا صاحب۔ وہ لڑکی نہیں میدے کی بوری ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''شٹ اپ..... کمرے سے باہر نکل جاؤ۔''

حمید نے اب تک دماغ ٹھنڈا رکھا تھا لیکن فریدی کے لہجے نے اُسے بھی بھنا جانے پر مجبور کر دیا۔ لہٰذا نکل آیا کمرے سے باہر اور جب کمپاؤنڈ کے پھاٹک سے باہر نکلا تو لنکن کی بجائے اس گاڑی کے اسٹیئرنگ پر ہاتھ تھے جس کے رنگ اور نمبر حسب ضرورت وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتے رہتے تھے۔

ذہن میں کوئی خاص اسکیم نہیں تھی۔ ویسے سوچ کر یہی نکلا تھا کہ آج کچھ نہ کچھ کر گذرنا ہے۔ آصف کو پیش آنے والے حادثے کے بعد کی تیسری رات تھی اور اُس کے بعد سے اُس لڑکی کا سراغ نہیں ملا تھا۔ جن جگہوں پر حمید اُسے پہلے دیکھ چکا تھا وہاں پھر نہ دکھائی دی۔ لڑکی کے ساتھ جو آدمی حادثے والی رات کو نظر آیا تھا اس کا بھی کہیں پتہ نہ تھا۔

اس نے فریدی کو وہ مقامات بتا دیئے تھے جہاں جہاں وہ لڑکی دیکھی گئی تھی۔ اقامتی عمارت کی نشاندہی بھی کردی تھی۔ لیکن یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ سچ مچ وہیں رہتی بھی ہوگی۔ بس یونہی اندازہ تھا۔

بہرحال فریدی نے اس سلسلے میں کیا کیا تھا اس کا علم اُسے نہیں تھا۔ ویسے اس وقت کی گفتگو سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ فریدی لڑکی کے معاملے میں کوئی واضح رائے نہیں رکھتا یا پھر کسی قسم کے شبہے میں مبتلا ہو۔

خود حمید کو بھی ان معاملات میں لڑکی کی موجودگی کچھ عجیب سی لگتی رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ پولیس کی راہ میں رکاوٹ بننے کے علاوہ اُسے اپنی طرف متوجہ کرتے رہنے کی کوشش کرتی رہی ہو۔ حمید نے کئی بار محسوس کیا تھا جیسے لڑکی اس سے بھی باخبر ہو کہ کوئی اس کا تعاقب کررہا ہے۔

ہوٹل والا دھماکہ اسی بات کا غماز تھا کہ وہ پولیس کو کسی قسم کی دھمکی دینا چاہتے تھے اور بس کیونکہ دھماکے کے بعد ہوٹل سے کوئی ایسی اطلاع نہیں ملی تھی جس سے دھماکے کا کوئی مقصد سامنے آسکتا۔

آصف کے چہرے پر زہریلا مادہ پھینکے جانے کا مقصد بھی ظاہر تھا۔

دھمکی..... پولیس کو دھمکی۔

پھر کرنا کیا چاہئے۔ حمید کے ذہن کو یہ سوال بڑی دیر سے ڈس رہا تھا۔ اس لڑکی یا اس کے ساتھی کو کہاں تلاش کیا جائے۔

وہ دونوں اُسے یقینی طور پر پہچانتے تھے ورنہ اس کا تعاقب کیوں کرتے۔ لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ پہلے ہی سے پہچانتے تھے یا آصف کی وساطت سے پہچانا تھا۔

اُسے وہ سچویشن یاد آئی جب آصف پر زہریلا مادہ پھینکا گیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ اس کے چہرے کو بھی داغدار بنا سکتا تھا۔ اتفاق ہی تو تھا کہ صرف آصف ہی کا چہرہ اس کی زد پر آیا۔

اتفاق..... اس نے طویل سانس لی اور اسی لفظ ''اتفاق'' کے تحت اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ

دیا اور ذہن کو آزاد چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''اتفاقات'' کے بے شمار وقوع پے در پے یاد آتے چلے گئے اور یادداشتوں کے اسی ریلے میں ایک سچویشن ذہن کی سطح پر چمک اٹھی۔

اب اس وقت اس کی بڑی اہمیت تھی.....ورنہ پہلے تو اس کا شمار ضمنیات میں ہی ہوتا۔

ان دنوں جب وہ اس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا ایک رات اُس نے اُسے کسی سے فون پر گفتگو کرتے سنا تھا۔

کچھ ہی دیر پہلے اس رات بھی کتاب والا ہنگامہ ہو چکا تھا۔ حمید نے اُسے ان لوگوں کی راہ روکتے بھی دیکھا تھا جنہوں نے اس دیوانے کو پکڑنے کی کوشش کی تھی۔

اس کے بعد وہ اس کا تعاقب کرتا ہوا مے پول تک گیا تھا۔ لڑکی اس رات تنہا ہی تھی۔ اس نے ہوٹل کے کاؤنٹر پر سے کسی کو فون کیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہ ہر رات نو بجے مے پول میں ضرور ہوتی ہے۔

حمید نے سوچا اگر وہ ہر رات نو بجے مے پول میں موجود ہوتی ہے تو پھر اُسے وہیں کیوں نہ دیکھا جائے۔

ابھی نو بجنے میں بیس منٹ باقی تھے.....دس منٹ میں وہ مے پول تک پہنچ سکتا تھا۔

اس نے اپنی کوٹ کی جیبیں ٹٹولیں.....اسپرنگ والا ریڈی میڈ میک اپ ایک جیب میں موجود تھا۔

دو چھوٹے چھوٹے اسپرنگ تھے۔ جنہیں نتھنوں میں فٹ کر لینے سے نہ صرف ناک کی نوک اوپر اٹھ جاتی تھی بلکہ اوپری ہونٹ بھی اس طرح کھل جاتا تھا کہ سامنے کے دو دانت دکھائی دینے لگتے تھے۔ اگر ایسے میں وہ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک بھی لگا لیتا تو دن رات کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے تک اُسے پہچان نہیں سکتے تھے۔

مے پول کے قریب پہنچتے پہنچتے وہ دونوں اسپرنگ نتھنوں میں فکس کر لئے گئے اور حمید کی شکل حیرت انگیز طور پر تبدیل ہو گئی۔

پھر وہ مے پول کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔

عجیب بات تھی کہ سب سے پہلے اسی لڑکی پر نظر پڑی.....وہ ایک میز پر تنہا تھی اور اس کے قریب کی تین میزیں خالی تھیں۔حمید نے ان میں سے ایک کو منتخب کیا اور اپنی نشست کی پوزیشن کچھ ایسی رکھی کہ لڑکی کی پشت اسی کی طرف رہے۔

وہ خاموش بیٹھی تھی۔

حمید سوچنے لگا کہ وہ یا تو بہت دلیر ہے یا پھر خود کو کسی قسم کے شبہے سے بالاتر سمجھتی ہے۔ ورنہ اس دھماکے اور آصف کی درگت کے بعد اسی طرح آزادانہ پول میں نہ بیٹھ سکتی۔

وہ بے تعلقانہ انداز میں بیٹھا رہا.....پھر ٹھیک نو بج کر پانچ منٹ پر ایک آدمی لڑکی کی میز کی جانب بڑھتا نظر آیا۔ یہ لنگڑا تھا.....دائیں بغل کے نیچے بیساکھی تھی۔ پوشش اور صحت کے اعتبار سے کھاتا پیتا آدمی معلوم ہوتا تھا۔عمر چالیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

لڑکی نے اٹھ کر اُسے بیٹھنے میں مدد دی تھی۔

''میں بہت تھک گیا ہوں.....!'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا مجھے اس پر اظہار افسوس کرنا چاہئے۔''

حمید نے لنگڑے کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے۔ جو دوسرے ہی لمحے میں غائب بھی ہو گئے اور اس نے مسکرا کر کہا۔''اظہار افسوس کرنے والے تو بہت ہیں۔تم تو بس مسکراتی رہا کرو۔''

''کل سے ہم یہاں نہیں ملیں گے۔''

''کیوں.....؟''

''بس یونہی..... پاپا جلد جلد اپنی زندگی میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ دو ماہ سے زیادہ کسی مکان میں نہیں رہتے۔''

''پاپا.....؟'' لنگڑے نے طویل سانس لی۔

''پاپا کے نام پر تم ہمیشہ بُرا سا منہ بناتے ہو۔''

''نہیں.....ایسی کوئی بات نہیں۔''

''بالکل یہی ہے..... مجھے بتاؤ.....آخر تمہیں ان کا تذکرہ کیوں گوارہ نہیں۔''

''میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔''

''اگر وہ نہیں چاہتے کہ میں تم سے ملوں.....تو کیا.....؟''

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو روحی۔''

''میں نے تمہیں کیا سمجھا تھا اور تم کیا نکلے۔''

''میرے خدا میں کیا کروں۔'' لنگڑا دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر رہ گیا۔

''سنجیدگی سے سنو۔'' لڑکی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں ورنہ تم میں کیا رکھا ہے.....اب تو یہ بیساکھی دن رات میرے ذہن میں کھٹ کھٹ کرتی رہتی ہے۔ صرف دو ماہ پہلے ہم ملے تھے اور کیا سے کیا ہو گیا۔''

''روحی.....خدا کے لئے.....!'' لنگڑے کی آواز بھرا گئی۔

''جذباتی بننے کی ضرورت نہیں۔'' لڑکی کہتی رہی۔ ''تم خود سوچو کبھی کوئی عورت تمہیں چاہ سکتی ہے۔''

''تم آخر کہنا کیا چاہتی ہو۔ خدارا مجھے بتاؤ۔''

''میں کیا کہنا چاہتی ہوں.....تم اچھی طرح جانتے ہو۔''

''یعنی میں تمہارے پاپا کے دربار میں حاضری دیا کروں۔'' اس بار اُس کے لہجے میں نرمی نہیں تھی۔

''میں چاہتی ہوں کہ تم اُن سے ملو۔''

''آخر کیوں؟''

''اس لئے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔'' یک بیک لڑکی جذباتی انداز میں بولی۔

حمید نے بائیں آنکھ دبا کر سر ہلایا۔

لنگڑے کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے۔ کچھ خجالت تھی اور کچھ ایسے تاثرات جیسے فوری طور پر قربان ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔" لڑکی پھر بولی۔

لنگڑا کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

لڑکی اب اس ویٹر سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھی جو اس کی میز کے قریب ہاتھ باندھے جھکا کھڑا تھا۔

لنگڑے نے رومال نکال کر ایسے انداز میں آنکھیں خشک کیں جیسے یونہی بے وجہ ان میں نمی آ گئی ہو۔

ویٹر رخصت ہو گیا اور حمید کو اپنی میز اٹنڈ کرنے والوں کی طرف توجہ دینی پڑی۔ رات کا کھانا ابھی نہیں کھایا تھا لیکن کھانے کے لئے آرڈر پلیس کرنا مناسب نہ سمجھا۔ پتہ نہیں وہ دونوں کب اٹھ جاتے اور وہ کھانا چھوڑ کر ان کے پیچھے نہ دوڑ سکتا۔ لہٰذا کافی اور سینڈوچ ہی پر قناعت کرنی پڑی۔ یہ چیز دوسری میز والوں کے آرڈر کی تعمیل ہونے سے پہلے ہی آ گئیں۔ ان دونوں کے لئے غالباً کھانا آ رہا تھا۔

حمید نے اپنے ویٹر کے توسط سے ایک پیکٹ سگریٹ بھی منگوالیا تھا۔ کیونکہ اس میک اپ میں وہ احتیاطاً پائپ نہیں استعمال کرنا چاہتا تھا۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے؟" لڑکی لنگڑے سے کہہ رہی تھی۔ "میں کیا بتاؤں جب بھی تمہارا سامنا ہوتا ہے میں اپنے اعصاب کو قابو میں نہیں رکھ سکتی۔"

"ٹھیک ہے..... میں کچھ نہ کہوں گا۔" لنگڑا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"لیکن تمہیں اداس بھی تو نہیں دیکھ سکتی۔ اچھا ہنسو.....!"

لنگڑے کے ہونٹوں پر بے جان سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"یوں نہیں۔" لڑکی بولی۔ "مجھے زندگی سے بھرپور مسکراہٹ چاہیے۔"

"زندگی.....!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"میں کہتی ہوں اب جلدی سے موڈ ٹھیک کرلو۔ ورنہ میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔"

"میرا سر چکرا رہا ہے..... ذرا ٹھہرو۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''کتنے امراض لاحق ہیں تمہیں..... سوچتی ہوں تو خود پر غصہ آتا ہے۔ یہ کیا کر بیٹھی ہوں۔ آج اگر میرے نصف درجن خواہش مندوں کو معلوم ہو جائے کہ میں نے ایک لنگڑے سے محبت کی ہے تو وہ میرا مضحکہ اڑا اڑا کر مجھے خودکشی پر مجبور کر دیں۔''

''مجھے الزام نہ دو۔'' لنگڑے نے کھسیا کر کہا۔ ''تم خود ہی آئی تھیں میری طرف..... میں تو جرأت بھی نہ کر سکتا۔''

''میرا ذہن بھی عجیب ہے۔'' لڑکی ہنس کر بولی۔ ''پہلے میں تمہاری اس صلاحیت کی بہت بڑی قدر داں تھی کہ تم مرغ اچھا پکا سکتے ہو..... پھر یہ تصور پیدا ہوا کہ تم دنیا میں واحد شخص ہو جسے مرغ اچھا پکانے کا سلیقہ ہے۔ پھر میں تم سے محبت کرنے لگی۔''

''ہاں..... ہاں..... میرا دعویٰ ہے۔'' لنگڑا اکڑ کر بولا۔ ''ساری دنیا میں مجھ سے بہتر مرغ اور کوئی نہیں پکا سکتا۔''

''غالباً..... بیگم نصیر کے یہاں مرغ پکایا تھا تم نے۔''

''ہاں..... مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے۔'' لنگڑا طویل سانس لے کر بولا۔

''جب ہم پہلی بار ملے تھے تم اور تمہارے ڈیڈی بیگم نصیر کے یہاں مدعو تھے اور بیگم نصیر نے مجھ سے استدعا کی تھی کہ مرغ میں اپنی نگرانی میں تیار کراؤں۔ مرغ تمہیں بے حد اچھا لگا تھا۔ تم نے کھانے کی میز پر اس کی تعریف کی تھی اور بیگم نصیر نے ہمارا تعارف کرا دیا تھا۔''

''کیا خیال ہے..... کیسا تھا وہ دن.....؟'' لڑکی نے چہک کر پوچھا۔

''میرے لئے خوش نصیبی کا پیامبر تھا وہ دن۔ میں وہ لمحات کبھی نہ بھلا سکوں گا جب تم میرے پکائے ہوئے مرغ کی تعریف کر رہی تھیں۔''

''لیکن تم مجھے ترکیب نہیں بتاؤ گے۔''

''محض ترکیب سے کچھ نہیں ہوتا۔''

دفعتاً لڑکی اچھل کر بولی۔ ''ارے ڈیڈی۔''

''کک..... کہاں.....؟'' لنگڑا بھی بوکھلا گیا تھا اور حمید نے اُس کی بیساکھی گرنے کی

آواز بھی سنی تھی۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا اور وہ سہمے ہوئے انداز میں کبھی لڑکی کی طرف دیکھتا اور کبھی صدر دروازہ کی طرف۔

جھگڑا

صدر دروازے میں ایک اچھے تن و توش کا بھاری بھرکم آدمی نظر آیا اور یہ آدمی جب کچھ اور قریب آیا تو حمید نے اُسے پہچان بھی لیا۔ یہ وہی تھا جو دھماکے والی رات کو اسی لڑکی کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے لڑکی پر اس کی نظر اچانک پڑی ہو۔ وہ ٹھٹکا بھی تھا اور پھر تو تیر کی طرح آیا تھا ان دونوں کی میز کی طرف۔

لڑکی کھڑی ہوگئی تھی۔ نروس نظر آرہی تھی اور لنگڑا سر جھکائے بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

''کیا یہ محض اتفاق ہے۔'' دفعتاً وہ غرایا۔

''وہ.....وہ.....ڈیڈی..... یہ تو..... یہ تو..... یہ توقیر صاحب ہیں۔ بیگم نصیر کے یہاں مرغ پکایا تھا۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔''

''کیوں ڈیڈی..... کیوں؟''

''باورچیوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا قابل فخر بات ہے؟'' اُسکے ڈیڈی کی آنکھیں نکل پڑیں۔

''باورچی..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈیڈی۔ آپ بھول گئے۔ بیگم نصیر نے تعارف کرایا تھا۔ آپ تو شہر کے بڑے رئیسوں میں سے ہیں۔''

''اُوہ.....!'' وہ اُسے گھورتا رہا۔

''آپ ہمارے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں۔'' لڑکی نے کچھ دیر بعد کہا۔

''اوہ..... اچھا..... اچھا.....!'' اس نے کہا اور بیٹھ گیا۔ اب ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے رویئے پر شرمندہ ہو۔

لنگڑا اب بھی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ لڑکی کے ڈیڈی نے کچھ دیر بعد کھنکار کر کہا۔

''مسٹر توقیر..... مجھے افسوس ہے۔ حافظہ کمزور ہے میرا۔ اب یاد آ رہا ہے کہ کہیں پہلے بھی آپ سے ملاقات ہو چکی ہے۔''

''کک..... کوئی بات نہیں ہے جناب.....!'' توقیر نے آہستہ سے کہا۔

''نہیں۔ آپ مجھے معاف کر دیجئے۔''

''میں نے معاف کر دیا نا جناب۔'' توقیر زبردستی ہنسا۔

اب وہ لڑکی سے بولا۔ ''جہاں مجھے جانا تھا کسی وجہ سے نہیں جا سکا۔ گھر واپس آیا تو معلوم ہوا کہ تم یہاں ملو گی۔''

''ہاں ڈیڈی..... میں یہاں اکثر بیٹھتی ہوں۔ آج توقیر صاحب نے مجھے بلا لیا۔ میں تو اب ان سے مرغ پکانے کی وہ ترکیب معلوم کر کے ہی رہوں گی۔''

''ضرور..... ضرور.....!'' وہ اخلاقاً ہنس کر بولا۔

''یقیناً بتائی جا سکتی ہے ترکیب..... لیکن آپ اتنی مشقت برداشت نہ کر سکیں گی۔'' توقیر بولا۔

''اچھا بھئی۔'' آنے والا اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں تمہیں مطلع کرنا چاہتا تھا کہ میں شہر ہی میں ہوں لیکن رات گھر پر نہ گذار سکوں گا۔''

''جب آپ جا ہی نہیں سکے تو پھر رات گھر سے باہر کیوں گذاریں گے۔''

''ایک ضروری کام ہے۔ اچھا مسٹر توقیر اب اجازت دیجئے۔ پھر ملاقات ہو گی۔''

وہ لنگڑے سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

کچھ دیر تک وہ دونوں ہی خاموش رہے پھر لڑکی بولی۔ ''آخر تم ڈیڈی سے کیوں نہیں ملنا چاہتے تھے۔''

''اب تو میں اسے اپنی بدنصیبی ہی سمجھوں گا کہ تمہارے ڈیڈی سے پہلے کیوں نہ ملا۔''

''کیوں.....؟''

''یہ تو بہت اچھے آدمی ہیں۔''

''تم نے پہلے بُرا کیوں سمجھا تھا۔''

''بیگم نصیر کے یہاں تعارف ہونے کے بعد سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ اس سے قبل کبھی اس طرح ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور بیگم نصیر کے یہاں تو میں نے ان کے بارے میں بہت بُری رائے قائم کی تھی۔ اچھا تم ہی بتاؤ کتنا خشک لہجہ معلوم ہوتا ہے ان کا۔ چہرے پر کتنی سختی ہے۔ بیگم نصیر کے یہاں ہماری ملاقات صرف مصافحہ ہی تک محدود رہی تھی۔ بہرحال ایسے حالات میں اُن سے دوبارہ ملنے کا حوصلہ کیونکر ہوتا۔''

''خیر.....خیر.....چھوڑو.....اب تو تم نے دیکھ لیا۔''

''دیکھ لیا.....اور اب مطمئن ہوں۔''

''اب آیا کرو گے ہمارے گھر.....!''

''ضرور.....ضرور.....کہو تو وہیں ڈیرا ڈال دوں۔''

''توقیر.....!'' لڑکی نے ٹھنڈی سانس لے کر مغموم لہجے میں کہا۔ ''لیکن دوسروں کے سامنے یہ کبھی نہ ظاہر ہونے دینا کہ ہمارے درمیان دوستی سے زیادہ کوئی اور چیز موجود ہے۔''

''کیوں.....؟''

''تمہارا لنگڑا پن مجھے مضحکہ خیز بنادے گا۔ وہ لوگ میرا مذاق اڑائیں گے۔ جو میرا دل نہیں جیت سکے۔''

حمید نے لنگڑے کے چہرے پر گہرا اضمحلال دیکھا۔

حمید سگریٹ پر سگریٹ پیتا رہا۔

کچھ دیر بعد لڑکی نے لنگڑے کو مخاطب کیا۔

''تم کچھ اداس سے نظر آرہے ہو.....کیا میری کسی بات سے تکلیف پہنچی ہے۔''

''روحی.....! اکثر میں سوچتا ہوں کہیں تم خود ہی تو میرا مضحکہ نہیں اڑا رہیں۔''

''ایسا سوچنے کی وجہ؟''

''احساس کمتری میں مبتلا ہوں۔ لنگڑے پن کی وجہ سے۔''

''اگر تم لنگڑے نہ ہوتے تو میں تم سے محبت بھی نہ کرتی۔ اگر تم میرے بعض طلب گاروں کو دیکھو تو تمہاری آنکھیں کھلی رہ جائیں۔''

''پھر تم نے انہیں کیوں مایوس کیا.....؟''

''میں صرف اسی سے محبت کر سکتی ہوں جو کسی نہ کسی طرح میرا محتاج بھی ہو۔ تاکہ میں اس پر رحم کر سکوں۔''

''تو تم رحم کر رہی ہو مجھ پر۔''

''یقیناً.....!''

''بڑی عجیب ہو تم۔ میں تمہیں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔''

''اس سے پہلے میں نے ایک ستر سالہ بوڑھے سے محبت کی تھی۔''

''کیوں جلا رہی ہو مجھے۔'' وہ کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''یقین کرو..... لیکن اب وہ بالکل ہی اپاہج ہو گیا ہے۔ اس لئے اسے چھوڑنا پڑا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اُسے گود میں اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا سکوں۔''

''خدا کے لئے کبھی تو سنجیدہ ہوا کرو۔''

''جس کی قسم کہو کھا جاؤں..... میں نے اُسے اس لئے بھی چھوڑ دیا ہے کہ اب اس کی بینائی جواب دے گئی ہے اور وہ بہت زیادہ اونچا سننے لگا ہے۔ اب نہ وہ مجھے دیکھ سکتا ہے اور نہ میری گنگناہٹ سن کر بل کھا سکتا ہے۔''

''بس اب ختم کرو یہ باتیں۔ میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔''

''میں تمہیں اتنا دکھی دیکھنا چاہتی ہوں کہ میرا رحم بلبلا اٹھے۔''

''رحم ہی کرو مجھ پر اور خاموش ہو جاؤ۔''

اس دوران میں انہوں نے کھانا کھایا۔ کھانا ختم کر کے کافی طلب کی تھی۔ ساتھ ہی حمید نے بھی دوبار کافی کے لئے کہا تھا۔

کچھ دیر بعد لڑکی نے توقیر سے کہا۔ ''چلتے ہو میرے گھر۔''

''گگ.....گھر.....یعنی کہ.....!''

''ہاں..... ہاں.....تم پریشان کیوں ہو گئے۔ ڈیڈی تو رات بھر ہوں گے ہی نہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ ان کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پہلے بھی تم نے کہا تھا کہ وہ شہر کے باہر گئے ہیں لیکن.....!''

''خیر.....گھر تو دیکھو گے تم میرا۔''

''یقیناً.....ابھی چلیں گے.....لیکن گھر کے اندر اسی وقت داخل ہوں گا جب تمہارے ڈیڈی بھی موجود ہوں۔''

''چلو یونہی سہی.....تو اب ہمیں اٹھنا چاہیئے۔''

''اتنی جلدی.....!'' لنگڑے کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''جیسی تمہاری مرضی۔''

وہ دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ حمید اپنا سر سہلا رہا تھا۔ لڑکی اُسے پسند آئی تھی۔ لیکن یہ کیا چکر تھا۔ اتنی دیر میں وہ بھول ہی گیا تھا کہ اس سے پہلے لڑکی کو کس روپ میں دیکھ چکا ہے۔

لڑکی بڑی دلکش تھی اور شوخی سے بھرے ہوئے انداز تکلم نے تو حمید کے ذہن پر خاصا اثر چھوڑا تھا۔ اس نے سوچا ''میں تمہاری ہمدردیاں حاصل کئے بغیر نہ رہوں گا..... تمہیں کچھ دن اس دل بے خانماں پر بھی رحم کھانا پڑے گا۔''

کچھ دیر بعد اُس نے پھر لڑکی کی آواز سنی.....وہ لنگڑے سے کہہ رہی تھی۔

''توقیر..... کیوں نہ ہم دور چلے جائیں..... اس دنیا سے دور..... جہاں ہمارا مضحکہ اڑانے والے نہ ہوں۔''

''ایک ٹانگ سے۔'' توقیر نے ہنس کر پوچھا۔ لیکن حمید کو اس کی یہ ہنسی درد میں ڈوبی ہوئی کراہ سی لگی تھی۔

''توقیر..... کبھی کبھی میں سوچتی ہوں۔''

''کیا سوچتی ہو۔''

''اگر بلی کا سر چیل کے سر سے مشابہ ہوتا تو بلی کیسی لگتی؟''

توقیر کے چہرے پر کھسیاہٹ اور جھلے پن کا عجیب سا امتزاج نظر آیا۔ رومانی موڈ میں تھا لیکن لڑکی کے اس بے تکے جملے نے شائد اس کی اس ذہنی کیفیت کو درہم برہم کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد لڑکی پھر بولی۔

''اب تو یہ زندگی ہی تھکن معلوم ہونے لگی ہے۔''

''میں اب کچھ نہیں بولوں گا..... ورنہ تم پھر میرا مضحکہ اڑاؤ گی۔''

''مضحکہ.....!'' لڑکی حیرت سے بولی۔ ''نہیں تو..... میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی۔''

''تم نے یک بیک بلی اور چیل والی بات کیوں کہی تھی۔''

''اے بس وہ تو میرا ذہن ہی ایسا ہے۔ اب اسی وقت میں تمہارے لئے رحم کے جذبے سے بھرپور بھی ہوں اور یہ بھی سوچ رہی ہوں کہ اگر تمہاری ٹانگیں سرے سے ہوتی ہی نہیں تو تم خاصی دلچسپ چیز ہوتے۔''

''دیکھو! مجھے تم سے محبت ہی سہی لیکن میں اتنی توہین برداشت نہیں کرسکتا۔''

''ارے بُرا مان گئے..... نہیں نہیں نہیں..... مائی سوئیٹسٹ میں تو یونہی چھیڑ رہی تھی تمہیں۔ ہائے غصے میں بڑے پیارے لگتے ہو۔''

حمید نے محسوس کیا جیسے توقیر نے بچوں کی طرح منہ پھلا لیا ہو۔

''ہے ہے۔'' لڑکی پھر بولی۔ ''تمہاری آنکھیں بالکل بچوں کی سی ہیں۔ کتنی معصومیت ہے۔''

حمید نے محسوس کیا کہ لنگڑا شرما رہا ہے۔

''اب تو تمہیں چلنا ہی پڑے گا میرے ساتھ۔'' لڑکی بولی۔

''کہاں.....؟''

''میرے گھر.....!''

''میں کہتا ہوں کہیں تمہارے ڈیڈی۔''

''پلیز.....شٹ اپ.....چلو اٹھو۔''

''مم.....مطلب یہ کہ.....بل تو ادا کر دیں۔''

''تم ادا کرو گے؟''

''کیوں نہیں!''

''آج پھر جھگڑا کرو گے۔ کل کیا کہا تھا میں نے۔''

''مجھے یہ کچھ اچھا نہیں لگتا کہ تم بل ادا کرو۔''

''خاموش رہو۔'' لڑکی نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''پہلے میں نے تمہیں چاہا ہے تم نے نہیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ کتنا مردانہ وار چاہا ہے۔ لہٰذا تمہارا رول ایک عورت کا سا ہونا چاہئے۔''

''پاگل بنا دو گی تم مجھے۔'' لنگڑا اپنی پیشانی مسلتا ہوا بولا۔

لڑکی نے اشارے سے ویٹر کو بلا کر بل مانگا تھا اور پھر خود ہی اس کی قیمت بھی ادا کی تھی۔ لنگڑا منہ ہی دیکھتا رہ گیا تھا۔

''اور تم میری گاڑی میں چلو گے.....اپنی گاڑی واپس بھجوا دو۔'' لڑکی نے کہا۔

''پھر میری واپسی کیسے ہوگی؟''

''میں تمہیں چھوڑ آؤں گی۔ تم اس کی پرواہ نہ کرو۔''

لنگڑا شائد سوچ میں پڑ گیا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

''کیا سوچنے لگے۔'' روحی ٹھنک کر بولی۔

''مم.....کچھ نہیں۔''

"تو چلو اٹھونا.....!"

"چلو.....!" لنگڑے نے طویل سانس لے کر بیساکھی سنبھالی۔

حمید بھی اس دوران میں بل کی ادائیگی کر ہی چکا تھا۔ اس لئے تعاقب کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

لڑکی نے لنگڑے کو سہارا دے کر اپنی ہی گاڑی میں اگلی سیٹ پر بٹھایا اور خود اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کس قسم کا چکر ہوسکتا ہے۔ لڑکی آرلکچو والے دھماکے میں ملوث تھی۔ لہٰذا وہ محض تفریح کی خاطر اس طرح کھلے بندوں شہر میں نہ پھر سکتی۔

اگلی کار شہر کی مختلف سڑکوں سے گذرتی ہوئی بالآخر موڈل کالونی والی سڑک سے آ لگی۔

موڈل کالونی پہنچ کر لڑکی نے ایک عمارت کے سامنے گاڑی روکی تھی اور حمید اپنی گاڑی آگے نکالتا چلا گیا۔ ویسے اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ واپسی میں وہ اُس عمارت کو پہچان لے گا جہاں کار روکی گئی تھی۔

ہوا بھی یہی..... کچھ دور آگے جا کر اُس نے یوٹرن لیا اور پھر ٹھیک اسی عمارت کے سامنے آ پہنچا۔ وہ کار اب بھی عمارت کے کمپاؤنڈ کے باہر موجود تھی۔ لیکن اس کا رخ اب شہر کی طرف تھا۔ حمید اندازہ نہ کر سکا کہ کار خالی ہے یا کوئی اندر موجود ہے۔

وہ پھر اپنی گاڑی آگے نکالتا چلا گیا۔ وہ عمارت معلوم ہو چکی تھی جہاں اب ان لوگوں کا قیام تھا۔ نگرانی کے لئے نقطہ آغاز کا تعین ہو چکا تھا۔ اس لئے اب وہاں ٹھہر کر کیا کرتا۔

اپنی دھن میں شہر کی جانب رواں دواں تھا کہ برابر سے وہی کار جس کا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا آگے نکلی چلی گئی۔

اس نے سوچا ممکن ہے روحی لنگڑے توقیر کو اپنی قیام گاہ دکھا دینے کے بعد اس کے گھر چھوڑنے جا رہی ہو لہٰذا ان توقیر صاحب کا جغرافیہ بھی کیوں نہ معلوم کر لیا جائے۔

اس نے اپنی گاڑی کی رفتار تیز کر دی اور پھر دونوں گاڑیوں کے درمیان صرف پچاس

فٹ کا فاصلہ رہ گیا۔

سڑک سنسان تھی اس لئے تعاقب میں کوئی دشواری پیش آنے کا امکان نہیں تھا۔

شہر کے بڑے دولت مندوں میں کسی لنگڑے توقیر کی دریافت حمید کے لئے نئی تھی۔ اگر وہ واقعی دولت مند تھا تو اپاہج ہونے کے باوجود اس کی آنکھوں میں اتنی پیاس نہ ہونی چاہئے تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے پہلے پہل کوئی عورت اس سے اتنی قریب آئی ہو۔ اس نے اس کی آنکھوں میں پیاس بھی دیکھی تھی اور ایسی معصومانہ چمک بھی جو کسی بچے ہی کی آنکھوں میں اس وقت نظر آسکتی ہے جب کوئی مرغوب ترین چیز متوقع طور پر ہاتھ آگئی ہو۔

وہ توقیر کے بارے میں سوچتا رہا۔ پتہ نہیں کیوں لڑکی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں تھی۔

تعاقب جاری رہا۔ لیکن اگلی گاڑی کا رخ اب شہر کے کسی ایسے حصے کی طرف ہرگز نہیں تھا جہاں توقیر کی قیام گاہ کی موجودگی کا امکان ہوتا۔ اس سڑک کا اختتام ساحل پر ہوتا تھا۔

بالآخر اگلی کار ساحلی علاقے کے ایک ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ حمید نے اپنی گاڑی کی رفتار کم کردی تھی۔ پھر وہ گاڑی روکنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک شدید ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔

کار سے توقیر یا روحی کے بجائے اس کا ڈیڈی اترا تھا۔

حمید نے بریک لگائے اور انجن بند کردیا۔ اس کی گاڑی اگلی کار سے دس بارہ گز پیچھے رکی تھی۔ روحی کا ڈیڈی اس کی طرف توجہ دیئے بغیر ہوٹل میں چلا گیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔

روحی توقیر کو یہ کہہ کر اپنے گھر لے گئی تھی کہ وہاں اس وقت سناٹا ہوگا اور اس کا ڈیڈی بھی اُسے یہی اطلاع دینے بول آیا تھا کہ وہ رات گھر سے باہر گذارے گا۔ لیکن حالات اس کے برعکس تھے۔ وہ ان دونوں کے وہاں پہنچنے تک گھر ہی پر موجود رہا تھا اور پھر جب وہ دونوں عمارت میں داخل ہوگئے تھے تو گاڑی لے کر ادھر چلا آیا تھا۔ تو کیا توقیر وہاں ٹھہرے گا۔ روحی نے اُس کی کار بھی واپس بھجوادی تھی۔

''ہونہہ توقیر.....!'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا ''جہنم میں جائے۔''

اُسے تو ان دونوں سے غرض تھی۔ توقیر کوئی درمیانی کردار تھا۔ قطعی غیر متعلق جس سے محکمہ سراغ رسانی کو کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی تھی۔

وہ گاڑی سے اُتر کر خود بھی ہوٹل میں چلا آیا..... متوسط درجے کے اس ہوٹل میں زیادہ تر جہاز راں ہی نظر آتے تھے۔

روحی کا ڈیڈی کاؤنٹر پر کہنیاں ٹکائے جھکائے کھڑا کاؤنٹر کلرک سے کچھ کہہ رہا تھا۔

حمید نے سوچا کہ اُسے اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے جب تک کہ وہ کہیں بیٹھ نہ جائے۔ کئی میزیں خالی تھیں اور وہ اس پر قریب سے نظر رکھنا چاہتا تھا۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ خواہ مخواہ کھڑے رہنے کے لئے کیا جواز پیدا کرے کہ اُس نے اسے ایک میز کی طرف بڑھتے دیکھا۔ لیکن وہ خالی نہیں تھی۔ اس پر پہلے ہی سے تین جہاز راں موجود تھے۔ انہوں نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا تھا اور چوتھی کرسی اُسے پیش کی تھی۔

حمید اس کے قریب ہی کی ایک خالی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ان کے درمیان تاش کے کسی کھیل کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی اور روحی کا ڈیڈی بھی اس گفتگو میں شامل ہو گیا تھا۔

حمید کو کاؤنٹر پر جا کر اپنا آرڈر پلیس کرنا پڑا۔ یہاں کا یہی دستور تھا۔

تھوڑی دیر بعد ویٹر طلب کی ہوئی چیزیں اس کی میز پر لگا گیا۔

ان کی گفتگو آہستہ آہستہ پُر جوش انداز اختیار کرتی جا رہی تھی۔ ایک جوتن وتوش میں ان دونوں سے زیادہ تھا روحی کے ڈیڈی سے الجھ پڑا تھا۔ وہ دونوں کوشش کر رہے تھے کہ بات نہ بڑھنے پائے لیکن قد آور جہاز راں بار بار روحی کے ڈیڈی کو للکار رہا تھا۔

حمید نے روحی کے ڈیڈی کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔ لیکن اُسے کوئی معنی نہ پہنا سکا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے قد آور جہاز راں کا گریبان اُس کی گرفت میں تھا۔ دوسرے جہاز راں کرسیوں سے اٹھ گئے۔ قد آور جہاز راں کا ہاتھ بھی اب روحی کے ڈیڈی کے کوٹ کے کالر پر نظر آیا۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کے گریبانوں پر زور صرف کرتے رہے۔

پورے ہال پر سناٹا طاری تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس زور آزمائی کا انجام وہاں کی فضا کے لئے کوئی اہم ترین فیصلہ ثابت ہوگا۔ ویٹر جہاں تھے وہیں رک گئے تھے۔ لوگوں نے اپنی مصروفیات ترک کر کے اس زورزمائی کی طرف متوجہ ہو جانا جیسے بے حد ضروری سمجھا ہو۔

اتنے میں بڑے ہال میں دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی ٹک ٹک ہر گوشے سے سنی جاسکتی تھی۔

کاؤنٹر کلرک کے چہرے پر کچھ ایسی بدحواسی نظر آرہی تھی جیسے وہ اچانک کسی طوفان میں گھر گیا ہو۔ دفعتاً حمید نے دیکھا کہ قد آور جہاز راں اپنی نشست سے اکھڑ رہا ہے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ میز پر اوندھا لیٹا نظر آیا۔ روحی کے ڈیڈی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی تھی۔

''بریوو.....!'' ہر طرف سے نعرے بلند ہوئے۔

قد آور جہاز راں کا گریبان اب بھی اس کی گرفت میں تھا اور وہ خود میز پر اوندھا پڑا تھا۔ پھر دفعتاً اس طرح پڑے پڑے اُس نے میز الٹ دی لیکن اس مرحلے پر بھی روحی کا ڈیڈی بے حد پھرتیلا ثابت ہوا۔

جہاز راں کی اس حرکت کا مقصد یہی تھا کہ وہ میز کے نیچے دب کر رہ جائے لیکن وہ اس سے کئی گز دور کھڑا اُسے تحقیر آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

جہاز راں نے الٹی ہوئی میز پر سے اٹھنے کی کوشش کی..... لیکن پہلی بار کامیاب نہ ہوسکا۔ اتنے بڑے ڈیل ڈول کو یکجا کرنا بھی تو آسان نہیں تھا۔

اب ہال میں خاصا شور ہو رہا تھا۔ لوگ اونچی آوازوں میں گفتگو کر رہے تھے۔ ہنس رہے تھے اور آوازے کس رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دوسرے جہازیوں کو اُس جہازی سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہ رہی ہو۔ بلکہ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس کی شکست پر مسرور ہوں۔

اچانک وہ اٹھا اور روحی کے ڈیڈی پر ٹوٹ پڑا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے دو جنگلی بھینسے ایک دوسرے کو ٹکریں مار رہے ہوں۔

کاؤنٹر کلرک بدحواسی میں کاؤنٹر پر چڑھ کر شور مچا رہا تھا۔ کبھی ''پولیس پولیس'' کا نعرہ لگاتا

اور کبھی دونوں ہاتھوں سے رانیں پیٹنے لگتا۔

میزیں الٹ رہی تھیں۔ کرسیاں چڑچڑا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھیں۔ میزوں کے الٹنے پر ٹوٹنے والی کراکری کی جھنجھناہٹ بھی فضا میں گونجتی۔ حمید اپنی میز سے اٹھ کر قریبی دیوار سے جالگا تھا۔

دفعتاً اس نے جہاز راں کو دروازے کی طرف بھاگتے دیکھا۔ روحی کا ڈیڈی اس کے پیچھے تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے آج وہ اس قد آور جہاز راں کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ حمید نے باہر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور روحی کے ڈیڈی کے پیچھے ہی پیچھے خود بھی باہر نکل آیا۔ خود باہر نکل آیا اور یہ دیکھ کر پیروں تلے کی زمین نکل گئی کہ بھگوڑا جہاز راں فرار ہونے کے لئے اسی کی گاڑی استعمال کر بیٹھا ہے۔

آس پاس روحی کے ڈیڈی کی گاڑی کے علاوہ اور کوئی گاڑی بھی نہیں تھی۔ اس نے دیکھا کہ وہ اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر رہا ہے۔ حمید نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتا ہوا اندر بیٹھ گیا۔

''کون ہے.....؟'' روحی کا ڈیڈی غرایا۔

''جناب عالی..... آپ کا شکار میری گاڑی لے بھاگا ہے۔'' حمید منمنایا۔

ناک میں اسپرنگ پھنسے ہونے کی وجہ سے آواز بھی کچھ ناک کے بل ہی نکلتی تھی۔

''تو جناب یہ سمجھتے ہیں کہ میں اس کے پیچھے جاؤں گا۔'' وہ غرایا۔

''پپ.....پھر.....!''

گاڑی حرکت میں آ چکی تھی اور غالباً وہ جلد از جلد یہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے حمید کی ''پھر'' کا جواب نہیں دیا تھا۔

فی الحال گاڑی اسی سمت جا رہی تھی جدھر جہاز راں گیا تھا۔

حمید خاموش بیٹھا رہا۔

''تو جناب..... کنجی اگنیشن ہی میں چھوڑ آئے تھے۔'' اس نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں.....زندگی میں پہلی بار ایسی غلطی ہوئی ہے۔"

"جلدی میں.....!"

"جج.....جی ہاں۔"

"بھلا کس بات کی جلدی تھی۔" اُس نے گاڑی کو بائیں جانب کچے راستے پر اتارتے ہوئے کہا اور پھر گاڑی قریب کی بستی کی ایک گلی میں داخل ہوگئی۔

"جواب دو۔" وہ غرایا۔

"میں آپ سے گذارش کروں گا کہ مجھ پر خفا نہ ہوئیے.....میری گاڑی۔"

"جہنم میں گئی تمہاری گاڑی.....کیا میں اس کے لئے گرفتاری کا خطرہ مول لوں گا۔ اب تم میرے ساتھ میرے گھر چلو۔"

"اور میری گاڑی۔"

"خاموش رہو.....ورنہ دھکا دے کر نیچے اتار دوں گا اور تم اس وقت یہاں ٹیکسی یا رکشا بھی حاصل نہ کر سکو گے۔"

"اللہ میرے حال پر رحم کر۔" حمید بے بسی سے منمنایا۔

روحی کا ڈیڈی زہریلے انداز میں ہنس رہا تھا۔

"اب میں تمہیں اپنی جلد بازی کا ایک شاہکار دکھاؤں گا۔" اُس نے کچھ دیر بعد بڑے گھمبیر لہجے میں کہا۔

شاہکار

حمید اپنی گدی سہلانے لگا پھر بولا۔ "میں جناب کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"جناب کا مطلب جناب ہی ہے۔"

''میں اب بھی نہیں سمجھا۔''

''کچھ دیر بعد سمجھ جاؤ گے۔ فی الحال ذرا یہ دیکھتے رہو کہ کوئی گاڑی پیچھے تو نہیں آ رہی۔''

''بہت بہتر جناب۔'' حمید نے کہا اور بیک سکرین سے پیچھے دیکھنے لگا۔ گاڑی اونچے نیچے راستے پر ہلکورے لیتی آگے بڑھتی رہی۔ حمید کو افسوس ہو رہا تھا۔ اپنی اس غیر دانشمندانہ حرکت پر۔

خواہ مخواہ بیٹھ گیا تھا اس کی گاڑی میں۔ ہوسکتا ہے شامت ہی نے آواز دی ہو۔ اس سے پہلے بھی اکثر ایسی حرکتیں جو بے خیالی میں سرزد ہوئی ہوں اس کے لئے پریشانیوں کا باعث بن چکی تھیں۔

''اونہہ.....!'' اس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور سوچا ''دیکھا جائے گا۔ کرنل ہارڈ اسٹون کی طرح کون احتیاط برتتا پھرے۔ ٹکراؤ.....اور فنا کردو یا فنا ہوجاؤ۔''

لیکن پھر خیال آیا کہیں یہ حماقت کرنل ہارڈ اسٹون کے لئے دشواریاں نہ پیدا کرے۔ ویسے ابھی تک فریدی نے اعتراف نہیں کیا تھا کہ یہ کیس باضابطہ طور پر اس کے حوالے کردیا گیا ہے۔ وہ تو اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوا تھا کہ آصف نے سارا الزام اسی کے سر رکھ دیا تھا۔

بہر حال اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ لیکن اگر وہ کسی جال میں پھنس کر فریدی کو ان لوگوں کے بارے میں اطلاع نہ دے سکا تو کیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ آصف والا واقعہ ہوجانے کے بعد سے خود اُس نے ان لوگوں کا سراغ کھو دیا تھا۔ پھر فریدی ان تک کیسے پہنچ سکے گا۔

آصف کے واقعہ کے بعد انہوں نے اپنی رہائش گاہ بدل دی تھی۔ موڈل کالونی کی ایک عمارت میں قیام کیا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ اونگھ رہا ہے۔ لہٰذا کئی بار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں گھورنا پڑا۔

گاڑی اب تک اندھیری گلیوں میں گھستی پھر رہی تھی۔ شائد وہ شہر پہنچنے کے لئے نامانوس راستے اختیار کر رہا تھا۔

بہر حال وہ بھٹکتے رہے۔

''کیا آپ استراحت فرما رہے ہیں جناب۔'' اگلی سیٹ سے روحی کا ڈیڈی غرایا۔

''نہیں جناب..... دیکھ رہا ہوں کہ کوئی گاڑی پیچھے تو نہیں آرہی..... آپ ہی نے یہ خدمت میرے سپرد کی ہے۔''

''اچھا..... اچھا..... میں سمجھا تھا شائد سو گئے۔''

''نیند آئے گی ایسی صورت میں جب کہ میری گاڑی۔''

''گاڑی..... گاڑی..... امپالا تھی؟''

''نہیں..... آسٹن اڑتالیس موڈل۔''

''لاحول ولا قوۃ..... کھٹارے کے لئے اتنے بے چین ہو۔''

''خاندانی چیز ہے جناب۔ بڑی محنت سے مین ٹین کی گئی ہے۔ آپ دیکھتے تو ایسا نہ کہتے۔''

''خیر..... خیر..... مجھے کیا۔ میں تو تمہیں اپنی جلد بازی کا شاہکار دکھانا چاہتا ہوں۔''

''وہ کیا چیز ہے جناب..... اشتیاق اتنا نہ بڑھائیے کہ میرا دم گھٹنے لگے۔''

''کیا تمہاری آواز کی منمناہٹ پیدائشی ہے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''مطلب صاف ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ عیب پیدائشی ہے یا کسی مرض کا نتیجہ۔''

''پیدائشی ہے۔'' حمید نے بہت زیادہ غصہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''میں تمہاری شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہاری ناک میں یقیناً غدود ہوں گے۔''

''جہنم میں گئے تم اور تمہاری گاڑی..... مجھے یہیں اتار دو۔ میں پیدل چلا جاؤں گا۔''

''میری قوت کا اندازہ تو تمہیں ہو ہی گیا ہوگا؟'' نہایت سرد لہجے میں کہا گیا۔

اور حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں برقی رو سی دوڑ گئی۔ لیکن پھر بھی وہ [illegible]

''اچھا تو پھر.....؟''

''کچھ نہیں..... اسے ذہن میں رکھو گے تو آرام سے رہو گے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔صرف ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

روحی کا ڈیڈی بھی اب خاموش ہو گیا تھا۔

کار بالآخر موڈل کالونی آ پہنچی.....لیکن اب جس عمارت کے سامنے رکی تھی وہ کوئی اور تھی۔وہ عمارت تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی جہاں کچھ دیر پہلے روحی اور توقیرُ کے تھے۔

دفعتاً کار کے اندر روشنی ہو گئی اور روحی کا ڈیڈی مڑ کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

ایک پل کے لئے حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

''کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہو۔'' اُس نے کہا۔

''دیکھا ہو گا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔''میں اکثر اس ہوٹل میں بیٹھتا ہوں۔''

''خیر.....اُترو نیچے!''

حمید گاڑی سے نیچے اُتر آیا۔وہ بھی اگلی نشست کا دروازہ کھول کر باہر آیا تھا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' اُس نے ایک جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دونوں پیدل ہی چل پڑے۔کار وہیں رہ گئی جہاں روکی گئی تھی۔

''تم سب کچھ خاموشی سے دیکھو گے۔'' روحی کا ڈیڈی بولا۔

''کیا خاموشی سے دیکھوں گا۔''

وہی جو کچھ نظر آئے۔''

''اگر مناظر نے مجھے کتوں کی طرح بھونکنے پر مجبور نہ کر دیا تو خاموشی ہی سے دیکھوں گا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''بعض مناظر مجھے کھوپڑی سے باہر کر دیتے ہیں۔''

''مثلاً.....!''

''مثلاً یہ کہ اگر میں کسی کو بریانی یا رائتہ کھاتے دیکھ لیتا ہوں تو بے اختیار یہی جی چاہتا ہے کہ اس کے ایک چپت رسید کر کے پلیٹ چھین لوں۔''

''کیوں.....؟''

''صاحب وجہ تو آج تک میری سمجھ میں نہ آسکی۔ کوئی نفسیاتی گرہ ہوگی۔ مثال کے طور پر لاشعور.....!''

''میں لاشعور کو نہیں مانتا۔''

''جناب یہ کوئی پیر یا فقیر نہیں ہے.....لاشعور ذہن کے اس حصے کو کہتے ہیں.....!''

''بس بس.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھے نفسیات سے چڑھ ہے۔ کیونکہ اب ہر کس و ناکس تھوڑی سی نفسیات پڑھ کر ماہر نفسیات ہونے کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔''

حمید نے سوچا ویسے بھی اسے زیادہ نہ بولنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کوئی ایسی بات زبان سے نکل جائے جس کی بناء پر اس پر کسی قسم کا شبہ کرنے لگے۔ خدا خدا کر کے وہ وقت تو آیا کہ وہ ان ہنگامہ پروروں سے اتنا قریب ہوگیا ہے۔

پھر خاموشی سے چلتے ہوئے وہ اس عمارت تک آپہنچے جسکے سامنے روحی نے کار روکی تھی۔

''ہم بہت آہستگی سے اندر داخل ہوں گے۔'' روحی کا ڈیڈی چپکے سے بولا۔

''آپ مجھے کہاں لئے جارہے ہیں؟''

''خاموشی سے میرے حکم کی تعمیل کرو۔ میں تمہیں اپنی جلد بازی کا نتیجہ ضرور دکھاؤں گا۔''

''میں نہیں دیکھنا چاہتا۔''

''تمہیں دیکھنا پڑے گا۔ کیونکہ یہ بات میری زبان سے نکل گئی تھی۔''

''کوئی زبردستی ہے۔''

''میں اسی کا عادی ہوں کہ جو کچھ میری زبان سے نکلے ضرور پورا ہو۔''

''خداوندا کہیں میں کسی پاگل کے ہتھے تو نہیں چڑھ گیا ہوں۔''

''شٹ اپ.....جان سے ماردوں گا۔'' روحی کا ڈیڈی غرایا۔

''چچ.....چلئے جناب.....!'' حمید خوف سے لرزنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔

پھاٹک سے گذر کر وہ کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔

''پنجوں کے بل چلو.....ذرا سی بھی آواز نہیں ہونی چاہئے۔'' روحی کا ڈیڈی آہستہ سے بولا۔

حمید بے چوں و چرا وہی کرتا رہا جو کہا جارہا تھا۔ وہ بیرونی برآمدے میں داخل ہوئے۔ روحی کے ڈیڈی نے ہینڈل گھما کر ایک دروازہ کھولا۔ اندر گہری تاریکی تھی۔

''میرے شانے پر ہاتھ رکھے چلے چلو۔'' روحی کے ڈیڈی نے سرگوشی کی۔ حمید نے کان دبا کر اس کے کہنے پر عمل کیا۔

روحی کا ڈیڈی بے آواز چل رہا تھا اور اس کے بائیں شانے پر حمید کا داہنا ہاتھ۔

''میں سگریٹ سلگا لوں۔ بہت دیر سے نہیں پیا۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''ایسی حماقتوں کی طرف سے آنکھیں بند کرلو۔''

''بند ہی سمجھو! اندھیرے میں کیا سجھائی دیتا ہے۔''

''ٹھہرو دیکھو! اب یہاں سے ہم زینوں پر چڑھیں گے۔ محتاط رہنا۔''

''یار کس عذاب میں پھنس گیا ہوں۔'' حمید نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

''بس ذرا ہی سی دیر میں تم کافی سکون محسوس کرو گے۔''

زینے طے کر کے وہ ایک بالکنی میں پہنچے۔

شائد اس طرف ایک ہی لائین میں کئی کمرے تھے۔ ایک کمرے کی کھڑکی کے شیشے روشن نظر آئے۔

روحی کے ڈیڈی نے حمید کا ہاتھ دبایا جس کا مطلب شائد یہی تھا کہ اب اور زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے۔

پھر وہ اُسے وہیں روک کر آگے بڑھا اور روشن نظر آنے والی کھڑکی سے کمرے کے اندر جھانکنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس کے اشارے ہی پر حمید کھڑکی کے قریب گیا تھا۔ کمرے کے اندر کا منظر.....خدا کی پناہ۔

روحی کم سے کم کپڑوں میں تھی.....اس سے تھوڑے فاصلے پر توقیر بیساکھی کے سہارے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں عجیب سی ہو رہی تھیں۔ چہرہ سرخ تھا۔

''آؤ نا.....!'' روحی ٹھنکی۔

وہ آگے بڑھا اور روحی ہنستی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔ کمرے کا چکر کاٹ کر روحی پھر ایک گوشے میں رک گئی۔ دونوں کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔

''آؤ نا.....!'' روحی پھر ٹھنکی۔

توقیر ہانپ رہا تھا۔ وہ پھر آگے بڑھا۔ روحی بڑے پھرتیلے پن کا مظاہرہ کررہی تھی۔ اکثر بالکل اس کے قریب سے نکل جاتی اور وہ ہاتھ پھیلائے رہ جاتا۔

ایک بار ایسے ہی موقع پر اس نے بیساکھی کو ٹھوکر ماری اور بیساکھی توقیر کی بغل سے نکل کر کچھ دور تک فرش پر پھسلتی چلی گئی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس بار حمید نے اس کے چہرے پر شدید ترین جھنجھلاہٹ کے آثار دیکھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی متشنج انگلیاں فرش کا پلاسٹر اکھاڑ دیں گی۔ روحی دور کھڑی اٹھلا اٹھلا کر ہنس رہی تھی۔

''روحی.....!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''آؤ نا.....!'' اس بار روحی کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

وہ چند لمحے روحی کو گھورتا رہا پھر کسی بے بس کتے کی طرح اس کی طرف گھسٹنے لگا۔ جیسے ہی قریب پہنچا وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ نہ صرف پیچھے ہٹی بلکہ بیساکھی بھی اٹھاتی لیتی چلی گئی۔

''روحی.....!'' وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ لیکن روحی کا قہقہہ اس کی چیخ پر بھی بھاری پڑا تھا۔ وہ فرش پر کہنیاں ٹکائے ہانپتا رہا۔

کچھ دیر بعد روحی پھر اس کے قریب آئی اور سرہانے بیٹھ کر اس کا سر سہلانے لگی۔ وہ فرش پر سر ڈالے پڑا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

''ارے.....تم رو رہے ہو۔ میری طرف دیکھو..... ہائے..... یہ آنسو.....توقیر..... نہیں.....ان آنسوؤں کو اسی طرح پلکوں میں تھرتھرانے دو۔''

''روحی.....!'' وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

''نہیں..... میں اپنے ارادے میں اٹل ہوں۔ بیساکھی استعمال کئے بغیر مجھے پکڑ لو تو.....!''

''روحی.....!'' وہ حلق پھاڑ کر چیخا اور روحی پھر اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ حمید اس طرح محو تھا کہ گردوپیش کی خبر نہ رہی۔ خود اس کی سانس بھی پھولنے لگی تھی۔

دفعتاً روحی کے ڈیڈی نے اس کے شانے پر تھپکی دی اور وہ اچھل پڑا۔

''آؤ چلیں.....!'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ''وہ اُسے اسی طرح تھکا تھکا کر بے حال کر دے گی۔''

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے اس موقع پر یا اس جملے پر کس طرح اظہار خیال کرنا چاہئے۔ وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا عمارت کے ایک دور افتادہ گوشے میں آیا۔ روحی کے ڈیڈی نے سوئچ دبا کر وہاں روشنی کر دی۔ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کی فضا کسی تہہ خانے کی گھٹی گھٹی فضا سے مشابہ تھی۔

''یہ تھا میری جلد بازی کا شاہکار.....!'' اس نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

''میری تو عقل ہی خبط ہوئی جارہی ہے جناب عالی..... یہ کیا اسرار ہے۔'' حمید نے اپنے ہونٹ پر زبان پھیر کر کہا۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' روحی کے ڈیڈی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے بیٹھتے ہوئے طویل سانس لی اور جیب میں سگریٹ کا پیکٹ تلاش کرنے لگا۔

''وہ میری لڑکی ہے..... اور میں نے کچھ ایسی جلدی میں اس کی تربیت کی ہے کہ اب وہ میرے لئے ہی مصیبت بن گئی ہے۔''

''جناب اب تو آپ کی باتیں بھی میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''بھلا جلدی میں تربیت کیونکر ہوتی ہے۔''

''بس کیا بتاؤں۔ ایسے سمجھ لو میرا رویہ اس کے ساتھ ہمیشہ سے یہ رہا ہے جیسے میری ٹرین چھوٹنے والی ہے..... ادھر آیا اُدھر گیا..... میں اس کی طرف خاص توجہ نہیں دے سکا۔''

''اتنی ذرا سی بات بتانے کے لئے آپ مجھے یہاں لائے ہیں۔''

''تم اسے اتنی ذرا سی بات کہہ رہے ہو۔''

''پھر کیا کہوں.....؟''

''ارے وہ اس طرح کے کومپلکسز کی شکار ہوگئی ہے۔ اسے صرف لنگڑے پسند آتے ہیں۔ صرف لنگڑوں سے اس کی دوستی ہے۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ کسی لنگڑے ہی سے شادی کرنے پر نہ اڑ جائے۔''

''وہ لنگڑا کون تھا۔''

''اس کا دوست۔''

''آپ کس طرح برداشت کرتے ہیں یہ سب کچھ.....ایسا باپ بھی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔''

''جوانی میں میں بھی بہت آوارہ تھا۔ اب کس منہ سے اُسے روکوں۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''عجیب وجیب کچھ بھی نہیں۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ ظاہر ہے جوانی میں جن نظریات کے تحت میں نے اپنی آوارگی کا جواز پیدا کیا تھا اُسی طرح کے کچھ نظریات وہ بھی رکھتی ہوگی۔''

''لیکن یہ رجحان.....خدا کی پناہ.....مجھ کو بے چارے لنگڑے پر رحم آرہا تھا۔ میں بھی نفسیات کا طالب علم رہ چکا ہوں۔ لیکن آج تک کوئی ایسا کیس میری نظر سے نہیں گذرا۔''

''کیسا کیس.....؟''

''کسی اپاہج کی بے چارگی سے محظوظ ہونا۔''

''واقعی یہ بڑی عجیب بات ہے۔'' روحی کا ڈیڈی پرتشویش انداز میں سر ہلا کر بولا اور حمید اُسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ بھی کوئی عجوبہ ہے۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

''آخر لنگڑے ہی کیوں؟''

''میں خود نہیں سمجھ سکتا۔''

''سختی سے روکئے۔آئندہ کسی لنگڑے سے نہ ملنے دیجئے۔''

''رو رو کر جان دے دے گی۔''

''مر ہی جانا چاہئے ایسی اولاد کو۔''

''شٹ اپ.....تم ایک باپ سے کہہ رہے ہو ایسی بات۔''

''ساتھ ہی باپ کو بھی مر جانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ہڈیاں پسلیاں توڑ کر رکھ دوں گا۔''

''ایسے مناظر دیکھنے سے تو یہی بہتر ہے کہ میں ہڈیوں اور پسلیوں کا ڈھیر بن جاؤں۔ کوئی بات ہے۔صاحبزادی لنگڑے سے شغل فرما رہی ہیں اور آپ مجھے بور کر رہے ہیں۔''

''چلے جاؤ یہاں سے۔''

''پیدل.....!''

''میں سچ مچ.....!'' وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ جملہ بھی پورا نہ کر سکا غصے کی زیادتی کی بناء پر۔

''اگر تم میرے باپ ہوتے تو میں تمہیں گولی مار دیتا سمجھے۔''

''کیوں.....؟'' وہ غرایا۔

''تم جیسے نامعقول باپوں نے ہی یہ باسٹرڈ سوسائٹی پیدا کی ہے۔اپنے کلچر کی ایک چیز بھی صحیح و سلامت نہ رہنے دی۔ ابھی ابھی تم نے اپنی جگر پارہ کے جسم پر جو لباس دیکھا اور برداشت کیا تھا کیا تمہارے باپ تمہاری بہن کے جسم پر برداشت کر سکتے؟''

''خاموش رہو.....دقیانوس کے بچے۔تم پڑھے لکھے جاہل معلوم ہوتے ہو۔ پھر کیوں نہ مغربی اقوام سے پیچھے رہ جاؤ۔''

''جی ہاں.....اسی لنگوٹی ہی کی وجہ سے تو مغربی اقوام آگے ہیں ہم سے۔'' حمید جل کر بولا۔

''کیا مطلب.....؟''

''خواتین کی کم لباسی ہی انہیں چاند پر لے جا رہی ہے۔سوچتے ہوں گے جب یہ زمین کے چاند ایسے ہیں تو وہ چاند کیسا ہوگا جسے لنگوٹی بھی میسر نہیں۔''

''ہوش میں رہو۔ جانتے ہو تم کس سے باتیں کر رہے ہو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''سر فضل مجید آف بونگا اسٹیٹ۔''

''آئی ایم ویری سوری سر..... یہ بونگا اسٹیٹ کہاں ہے۔''

''شمالی پہاڑی سلسلوں کے درمیان۔ نہ ہوئی میری اسٹیٹ..... کھال کھنچوا لیتا۔''

''لنگڑے کی.....؟''

''شٹ اپ.....!'' اس نے حمید کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا۔ اتنا ہی زبردست جھٹکا تھا کہ حمید کرسی سے اٹھتا چلا گیا۔ ساتھ ہی کنپٹی پر ایک ہاتھ بھی پڑا تھا۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے سر سے شہاب ثاقب کا کوئی ٹکڑا ٹکرایا ہو۔ آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔

پتہ نہیں کتنی دیر تک دونوں ہاتھوں سے سر تھامے رہا تھا اور اس کا جسم گویا فضا میں چکراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد آنکھیں کھولیں اور خود کو پسینے سے نہایا ہوا بھی محسوس کیا۔

سر فضل مجید سامنے کھڑا اُسے خونخوار نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔

''اٹھو.....!'' اس نے غرا کر کہا۔

حمید چپ چاپ وہاں سے اٹھ گیا۔ اس کی طاقت کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس لئے کوئی غیر دانشمندانہ فیصلہ نہ کر سکا۔

''چلے جاؤ..... اگر پھر کبھی شکل دکھائی دی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔''

حمید چپ چاپ ے کی طرف مڑ گیا۔

''ٹھہرو.....!''

حمید رک گیا۔

''تم ایک گھنٹے بعد ہمیں یہاں نہ پاؤ گے۔ اسلئے پولیس اسٹیشن تک جانے کی زحمت نہ کرنا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

"پولیس میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ تمہارے سول سرونٹ ہمیں جھک کر سلام کرتے ہیں۔ بس نکل جاؤ۔"

حمید چل پڑا۔ عقب سے سرفضل ٹارچ کی روشنی میں اُسے راستہ دکھا رہا تھا۔ کیونکہ عمارت کے دوسرے حصے بالکل تاریک تھے۔

حمید کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ باہر کی کھلی فضا میں کتنی دیر بعد پہنچا تھا۔

سرفضل عمارت سے باہر نہیں آیا تھا۔ سڑک پر چند قدم چل کر حمید پھر رک گیا۔ غصے کے مارے اس کا سارا جسم جھلسا جا رہا تھا۔ پھر یک بیک اس کے ذہن میں ایک خاص قسم کی کلبلاہٹ ہوئی۔ غالباً وہی پرانی چھپکلی متحرک ہوئی تھی جو اسے آنکھیں بند کر کے اندھے کنوئیں میں بھی چھلانگ لگا دینے پر مجبور کر دیتی تھی۔

اُس نے سوچا کہ وہ سرفضل مجید آف بونگا اسٹیٹ ہی کی گاڑی کیوں نہ لے بھاگے۔

اس خیال کے تحت وہ بڑی تیز رفتاری سے اس طرف چل پڑا تھا جہاں سرفضل نے گاڑی کھڑی کی تھی۔

اتنی تیز رفتاری سے چلا تھا کہ وہاں تک پہنچتے پہنچتے سانس پھول گئی اور وہاں پہنچ کر تو یہی جی چاہا کہ اپنی دھجیاں اڑا کر رکھ دے۔ گاڑی وہاں سے غائب تھی۔ سڑک پر دور دور تک سناٹا تھا اور موڈل کالونی شہر سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر تھی۔

چلنا ہی پڑا..... فی الحال یہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ سب سے بڑی خواہش اس وقت یہی تھی کہ کسی طرح فریدی کو ان حالات سے آگاہ کر دے۔

چلتا رہا۔ پھر یہ اتفاق ہی تھا کہ ایک میل پیدل چلنے کے بعد ایک آٹو رکشا خالی مل گیا۔ بھاگم بھاگ گھر پہنچا۔ پھاٹک ہی پر نصیر سے مڈبھیڑ ہوئی۔

"صاحب لائبریری میں ہیں۔" اس نے کہا۔ "لیکن سختی سے منع کیا ہے کہ کوئی راہداری سے بھی نہ گذرے۔"

"کب کی بات ہے۔"

"شام کو آپ کے جاتے ہی کوئی صاحب آئے تھے۔ انہیں لے کر لائبریری میں چلے گئے تھے۔"

"کون صاحب تھے؟"

"پتہ نہیں.....!"

"کیوں بکواس کرتا ہے۔"

"یقین کیجئے صاحب۔ وہ پہلے کبھی یہاں نہیں آئے۔"

"خیر..... میں دیکھوں گا۔"

"میں نے آپ کو آگاہ کردیا ہے۔ اب آپ جانیں..... محض اسی لئے جاگتا رہا کہ آپ کو آگاہ کردوں۔"

"آپ آگاہ فرما چکے..... اب ہٹئے سامنے سے۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا اور اُسے ایک طرف ہٹاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ احتیاطاً پہلے فون پر رابطہ قائم کرنا چاہئے۔ فادر ہارڈ اسٹون ہی ٹھہرے۔ پتہ نہیں کس موڈ میں ہوں۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے ریسیور اٹھایا۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ڈسٹرب نہ کرو۔"

"لہجہ اتنا خراب تھا کہ حمید نے مزید کچھ کہے بغیر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور بستر پر گر کر سوٹ اور جوتوں سمیت سونے کی کوشش کرنے لگا۔

پھر پتہ نہیں کب آنکھ لگ گئی۔ بے خبر سوتا رہا۔ آنکھ کھلی تو ذہن ہوا میں اڑا جا رہا تھا اور کانوں میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

جھلا کر ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

دوسری طرف سے فریدی بول رہا تھا۔ "ہاں تو تم کیا کہنا چاہتے تھے۔"

"بونگا.....!" حمید نے ماؤتھ پیس میں دہاڑ کر ریسیور میز پر پھینک دیا اور پھر لیٹ گیا

کان دبا کر۔

اب کیا ہوگا؟

فریدی نے پرتشویش انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''بونگا اسٹیٹ کا وجود ہے اور سر فضل مجید وہاں کا حکمران بھی تھا۔ اب اس کی حیثیت ایک بڑے زمیندار کی سی ہے۔''

''آپ ذاتی طور پر واقف ہیں اُس سے؟''

''نہیں۔''

حمید ناشتے کی میز پر دیر سے پہنچا تھا۔ توقع نہیں تھی کہ فریدی سے ملاقات ہوجائے گی لیکن وہ موجود ملا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے انداز میں بے تعلقی پائی جارہی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ناشتہ کرتے وقت اخبارات میں کھو گیا ہو اور پھر ناشتے کے وقت بھی اُن سے نجات نہ ملی ہو۔ لیکن حمید تو بے چین تھا کہ کسی طرح پچھلی رات کی کہانی اس کو سنا دے۔ بات شروع کرنے میں کیا دیر لگتی۔ فریدی خاموشی سے سنتا رہا اور پھر اتنا ہی بولا تھا کہ اُسے بونگا اسٹیٹ اور اُس کے والی کا علم ہے۔

حمید منتظر رہا کہ شائد وہ کچھ اور بھی کہے لیکن وہ تو پھر اخبار میں کھو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر کہا۔ ''آصف والے کیس کے سلسلے میں ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے۔''

''کیا.....؟'' حمید ہمہ تن گوش ہوگیا۔

''جن جن دوکانداروں کا نقصان ہوا تھا اُنہیں اس کا معاوضہ کسی نہ کسی صورت میں مل گیا ہے۔''

''میں نہیں سمجھا.....!''

''کتاب کی قیمت..... جس دوکان سے جتنی کاپیاں اٹھائی گئیں اُن کی قیمت بذریعہ پوسٹل آرڈر کسی گم نام آدمی کی طرف سے اُس دوکان پر پہنچ گئی ہے۔''

''اور اُن جوہریوں کا کیا بنا جن کے زیورات غائب ہوئے تھے۔''

''حمید صاحب! میں اس نظریئے کا قائل نہیں ہوں کہ ایک گروہ یہ سارے کام انجام دے رہا ہے۔ وہ کوئی اور ہیں جو اس ہنگامے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آصف کی مرمت ہوجانے کے بعد سے پھر کوئی کیس نہیں ہوا۔ نہ وہ کتاب کسی اسٹال سے اٹھائی گئی اور نہ لوٹ مار کی کوئی واردات ہوئی۔''

''جہنم میں جھونکئے سب کو..... میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ لڑکی لنگڑوں میں کیوں اتنی دلچسپی لیتی ہے۔''

''اذیت پسندی کی سب سے بھیانک قسم..... اپوزٹ سکس کو جنسی بے چارگی میں مبتلا کردینے کا رجحان اکثر قتل و غارت گری تک بھی لے جاتا ہے۔ ایسی ہستیاں خود بھی آہستہ آہستہ غیر شعوری طور پر جنسی جنون میں مبتلا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ایسے لوگ اپنا تختہ مشق بنانے کے لئے یا تو جسمانی اپاہجوں کو تلاش کرتے ہیں یا ذہنی اپاہجوں کو۔''

''ذہنی اپاہج..... یہ نئی اصطلاح سننے میں آرہی ہے۔''

''میں ذہنی اپاہج اُنہیں کہتا ہوں جن کا کوئی جذبہ کسی خیال کے تحت اچانک سرد پڑ جاتا ہے۔ یا خیال اُس جذبے پر اس شدت سے حاوی ہو کہ جذبے کے اظہار کی راہ میں دیوار بن جائے اور یہ بھی یاد رکھو کہ ذہنی اپاہج بنائے جاتے ہیں۔ اس قسم کی اذیت پسند عورتیں اس کے لئے اپوزٹ سکس کا کوئی ایسا فرد منتخب کرتی ہیں جس کے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ بااصول آدمی ہے۔ وہ اُس پر بڑی محنت کرتی ہیں۔ اُسے پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرتی ہیں اور پھر انتہائی ہیجانی لمحات میں اُس کے ذہن کی کسی دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھ دیتی ہیں اور وہ اسی لنگڑے کی طرح بل کھاتا رہ جاتا ہے۔''

''ذرا ٹھہریئے۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''آخر اتنی دردسری کیوں مول لیتی ہیں۔''

''یہ وہ عورتیں ہیں حمید صاحب جنہیں اپنے آس پاس کی زندگی میں اپنی بے وقعتی کا شدت سے احساس ہونے لگتا ہے۔ اگر وہ ذہین بھی ہوئیں تو اس قسم کے طریقے اختیار کر کے اپنی انا کی تسکین کرتی ہیں۔ جب وہ کسی کو جنسی بے بسی میں مبتلا دیکھتی ہیں تو انہیں اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے اور وہ اپنی گھریلو بے وقعتی کو تھوڑی دیر کے لئے بھول جاتی ہیں۔ آہستہ آہستہ یہی چیز ان کی تسکین کا ذریعہ بھی بنتی چلی جاتی ہے۔ یعنی مقابل کو بے بسی میں مبتلا کرتے وقت وہ خود جس قسم کے ہیجان میں ہوتی ہیں وہی ان کے لئے سب کچھ ہوتا ہے۔''

''بس کیجئے..... ورنہ میرا دماغ الٹ جائے گا۔ میں سیدھا سا آدمی ہوں اور سیدھی سادھی عورتیں مجھے پسند آتی ہیں۔''

''آپ ہی جیسے حضرات ایسی عورتیں پیدا کرتے ہیں حمید صاحب۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''مجھے ان بے چاریوں سے ہمدردی ہے۔ صدیوں سے یہ اس احساس کا شکار رہی ہیں کہ ان کا صرف ایک ہی مصرف ہے۔ حالانکہ ان کی بھی شخصیت ہوتی ہے۔ ایک سوچتا ہوا ذہن بھی رکھتی ہیں۔ اگر ان کی ایک کے علاوہ دوسری جبلتوں کو نظر انداز نہ کیا گیا ہوتا تو آج کی بعض عورتیں ایسی ذہنی یا جسمانی بے راہ روی کا شکار ہرگز نہ ہوتیں۔ گھریلو بے وقعتی بھی انہیں اس راہ لے جاتی ہے۔ وہ تھوڑی ہی دیر کے لئے خود کو دنیا کی اہم ترین عورتیں محسوس کر کے ایک طرح کی طمانیت حاصل کر لیتی ہیں۔''

''بس صاحب۔'' حمید دونوں ہاتھوں سے اپنے کان بند کرتا ہوا بولا۔

''میں کچھ نہیں سننا چاہتا اور پھر کسی ایسے آدمی سے عورتوں کے بارے میں کیا سنوں جس کا علم ان کے متعلق محض کتابی ہے۔ تجربے کا مرہون منت نہیں۔''

''تجربہ کار صاحب۔ کسی دن عقل ٹھکانے آجائے گی۔''

''خدا وہ وقت نہ لائے کہ سوگوار ہوں میں۔ لیکن کیا مردوں میں ایسے جانور نہیں پائے جاتے۔''

''یقیناً پائے جاتے ہوں گے۔''

''آپ نے اپنے بارے میں بھی کبھی کچھ سوچا۔''

''اپنے لئے فرصت کا ایک لمحہ بھی میرے پاس نہیں۔''

''خیر.....!'' حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ ''میں انتقام لینا چاہتا ہوں۔''

''کس سے؟''

''سر فضل مجید والئی بونگا اسٹیٹ سے۔'' حمید ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

''بکواس نہ کرو۔''

''آخر وہ مردود مجھے اپنے ساتھ کیوں لے گیا تھا۔''

''میں کیا بتا سکتا ہوں؟'' فریدی نے کہا اور پھر اخبار دیکھنے لگا۔

''خیر.....میرا معاملہ ہے۔ میں ہی دیکھ لوں گا۔''

''آپ کی قوت پرواز سے میں بخوبی واقف ہوں۔'' فریدی نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر سرد لہجے میں کہا۔

''آپ دیکھیں گے۔''

''جی ہاں.....یہی دیکھوں گا کہ حمید صاحب بھی لنگڑاتے پھر رہے ہیں۔''

''یقیناً.....ان لوگوں تک پہنچنے کا واحد ذریعہ یہی ہے۔ میں دیکھوں گا کہ وہ لڑکی میری بے بسی سے کس طرح محظوظ ہوتی ہے۔''

''خواہ مخواہ وقت نہ ضائع کرو۔''

''پلیز.....میری یہ خواہش پوری کر دیجئے۔ اُس مردود نے میرے ساتھ کوئی اچھا برتاؤ نہیں کیا تھا۔''

''سوچ لو..... بارسوخ آدمی ہوگا۔ ورنہ اس طرح کھلے بندوں نہ پھرتا۔''

''اب شائد مجھے اپنے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالنا پڑے گا۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''وہ کس لئے فرزند۔''

''آپ کی زبان سے ایسا جملہ سننا پسند نہیں کرتا۔ ارے ہم اس لئے پیچھے ہٹ جائیں کہ

کہیں وہ بارسوخ نہ ہو۔"

"لنگڑا بننا اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ ہکلانا۔ میڈیکل ایگزامینیشن لنگڑے پن کا پول کھول سکتا ہے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"کیا وہ میرا میڈیکل ایگزامینیشن کرانے بیٹھے گا۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ناممکن تو نہیں ہے اور پھر ایسی صورت میں جبکہ وہ تمہیں بتا بھی چکا ہے کہ لنگڑے اس کی لڑکی کی کمزوری ہیں۔ یہ نہ بھولو کہ وہ کسی نہ کسی جرم میں بھی ملوث ہے۔ لہٰذا اپنے قریب آنے کی کوشش کرنے والے ہر نئے آدمی کو پرکھنے کا خیال ضرور آئے گا اس کے دل میں۔"

"تو پھر میں کیا کروں..... مجھے بتایئے۔"

"خیر از راہِ ہمدردی تمہاری ٹانگ توڑنے کی کوشش کروں گا۔"

"جی.....!"

"سچ مچ لنگڑے ہو جاؤ گے کچھ دنوں کے لئے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"ایک ٹانگ کے پٹھے کچھ دنوں کے لئے اکڑ جائیں گے اور دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا ڈاکٹر بھی نہ کہہ سکے گا کہ پٹھوں کی ناکارگی مصنوعی ہے۔"

کھٹ..... کھٹ..... کھٹ..... بیساکھی فرش پر بج رہی تھی اور مے پول کے ڈائننگ ہال میں روزانہ کے بیٹھنے والوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ آخر یہ ہوٹل لنگڑوں کا اڈہ کیوں بنا جا رہا ہے۔ پہلے تو ایک ہی آتا تھا اب ایک اور آنے لگا ہے۔

حمید تین دن سے آ رہا تھا۔ آج چوتھا دن تھا۔ وہ پچھلے دنوں اُن دونوں سے پہلے ہی

وہاں پہنچتا رہا تھا۔

حمید آج دیر سے پہنچا..... روحی اور توقیر اُس سے پہلے ہی آ چکے تھے۔ پچھلے دنوں حمید نے قطعی کوشش نہیں کی تھی کہ روحی سے دو باتیں ہی کر لینے کا موقع ہاتھ آ جائے لیکن اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس میں دلچسپی لے رہی ہے۔ ہونا بھی چاہئے تھا۔ وہ توقیر سے کہیں زیادہ خوبرو ور جوان "لنگڑا" تھا۔ چہرے پر فریدی نے پلاسٹک میک اپ کیا تھا اور حمید کی درخواست پر اس کا بھی خاص طور پر خیال رکھا تھا کہ "گلفامیت" اصل سے بھی بڑھ جائے۔

آج بھی روحی اس کی بیساکھی کی کھٹ کھٹ پر چونک کر اس کی طرف مڑی تھی اور توقیر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کبھی اُسے گھورنے لگتا تھا اور کبھی حمید کو۔

ان کے قریب سے گذرتے وقت حمید کی بیساکھی آج کی اسکیم کے مطابق میز کے پائے سے ٹکرائی اور وہ لڑکھڑا کر گرنے ہی والا تھا کہ روحی نے جلدی سے اٹھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ توقیر نے بھی اٹھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن روحی نے تحکمانہ انداز میں اُسے روک دیا تھا۔

بازو کا سہارا دیئے ہوئے اس نے حمید کو اپنی ہی میز پر بیٹھنے کی پیش کش کی۔

"شش..... شکریہ محترمہ..... ہم تو ردی کی ٹوکری کی چیز ہیں۔" حمید بیٹھ کر ہانپتا ہوا بولا اور پھر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے اپنی اس حالت پر شرمندہ ہو اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ لوگوں نے اُسے اس حال میں دیکھا تو نہیں۔"

"نہیں..... نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔" روحی نے خالص ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "سوسائٹی کا ہر فرد اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے۔"

"لیکن میری کوئی اہمیت نہیں۔" حمید کے لہجے میں درد تھا۔

"کیوں جناب..... آپ کی کوئی اہمیت کیوں نہیں۔" توقیر نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"میں اس بھری دنیا میں بالکل تنہا ہوں۔"

"شاعر بھی معلوم ہوتے ہیں۔" توقیر کا لہجہ اب بھی طنزیہ تھا۔ حمید نے بظاہر اس کا کوئی نوٹس نہ لیا لیکن دل ہی دل میں کباب ہوتا رہا۔

البتہ روحی کے چہرے پر کبیدگی کے آثار تھے اور وہ اُسے بُری طرح گھور رہی تھی۔ حمید نے محسوس کیا کہ اب توقیر اس سے نظریں چرا رہا ہے۔

''میں آپ کو کئی دن سے یہاں دیکھ رہی ہوں۔'' دفعتاً وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔

''جی ہاں..... آپ کی وجہ سے۔'' حمید نے توقیر کی طرف سے اشارہ کیا۔

''میری وجہ سے کیوں.....؟'' توقیر چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

''خفا ہونے کی ضرورت نہیں جناب۔'' حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔ ''آپ کے شہر میں اجنبی ہوں اور اپنے ہی جیسے اپاہجوں کی تلاش ہمیشہ رہتی ہے مجھے۔''

''دل چھوٹا نہ کیجئے..... دنیا اتنی بُری جگہ نہیں ہے۔'' روحی بولی۔

''میں پیدائشی اپاہج نہیں ہوں خاتون..... دنیا اچھی طرح دیکھی ہے۔ تین سال گذرے یہ ٹانگ بیکار ہوئی ہے۔ تین سال سے میں ان کی شکلیں دیکھنے کو ترس گیا ہوں جو ہر وقت مجھ سے قریب رہنے کی کوشش کرتے تھے۔''

''تو کیا آپ کے سارے دوست آپ کو چھوڑ گئے۔''

''سب چھوڑ گئے..... اب میں ہوں اور میرے تین ملازم..... ایک سکریٹری ایک باورچی اور ایک اٹنڈنٹ..... بغرض علاج یہاں آیا ہوں۔''

''علاج..... تو کیا یہ قابل علاج بھی ہے۔''

''ابھی تک ڈاکٹروں نے لاعلاج ہی بتایا ہے۔ لیکن میں نا اُمید نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی نہ کوئی اسپیشلسٹ ضرور میری مشکل حل کرے گا۔''

''یقیناً..... یقیناً.....!'' روحی کا لہجہ بے حد ہمدردانہ تھا۔

''ہاں تو جناب.....!'' حمید نے توقیر کو مخاطب کر کے کہا۔ ''میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔''

''لیکن میرا ساتھ تو کسی نے بھی نہیں چھوڑا.....!'' توقیر نے سرد لہجے میں کہا۔

''توقیر.....!'' روحی نے اُسے آنکھیں دکھائیں۔

''خیر.....خیر.....!'' توقیر زبردستی مسکرا کر اپنا ہاتھ حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔''خاتون روحی کی یہی خواہش ہے تو میں بھی دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔''

''شکریہ جناب۔'' حمید کا لہجہ بہت زیادہ دردناک تھا۔

''آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا مسٹر.....!'' روحی بولی۔

''ساجد میرا نام ہے۔'' حمید نے کہا۔

''توقیر دل کے بُرے نہیں ہیں.....میرا نام روحی ہے۔''

''بیگم توقیر.....میں ذرا ذرا سی بات پر رنجیدہ ہو جاتا ہوں۔''

''آپ غلط سمجھے۔'' روحی ہنس پڑی۔''یہ میرے شوہر نہیں ہیں۔صرف دوست ہیں۔''

''اچھا.....اچھا.....میں معافی چاہتا ہوں محترمہ۔''

''کوئی بات نہیں۔''

''جب سے یہاں آیا ہوں لوگوں سے بات کرنے کو ترس رہا تھا۔ ملازمین تو اس دکھ کا مداوا نہیں ہو سکتے۔''

''جی ہاں قطعی.....! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ہمیں اپنا بہترین دوست پائیں گے۔توقیر بہت اچھے آدمی ہیں۔'' روحی بولی۔

پھر مقامی ڈاکٹروں کی بات چل پڑی تھی لیکن وہ فیصلہ نہ کر سکے کہ کس ڈاکٹر سے اس سلسلے میں رابطہ قائم کیا جائے۔

''آپ فکر نہ کریں ساجد صاحب۔'' روحی نے کہا''جو کچھ بھی ممکن ہوگا آپ لئے کیا جائے گا۔''

''شکریہ۔'' حمید بولا۔اب وہ ایک زندہ دل آدمی کی طرح چہک رہا تھا۔لیکن یہ تبدیلی بتدریج ہوئی تھی۔دوسروں کو یہی معلوم ہوا ہوگا جیسے دل پر سے غم کے بادل آہستہ آہستہ چھٹے ہوں۔''

کوٹھی شاندار تھی۔حمید بیساکھی کی مدد سے طویل برآمدے میں لنگڑاتا پھر رہا تھا۔

ے پول میں روحی سے مل بیٹھنے کو آج تیسرا دن تھا۔اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آج اس کی قیام گاہ پر ملے گی۔حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ مردود بھی نہ ساتھ لگا چلا آئے۔

اس قیام گاہ کا انتظام فریدی نے کیا تھا۔ملازمین بھی اسی نے فراہم کئے تھے اور یہ ایسے افراد تھے جن کی شکلیں حمید نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ان میں دو قوی ہیکل مرد تھے اور ایک بوڑھی عورت جو حمید کی سیکریٹری کے فرائض انجام دیتی تھی۔مردوں میں ایک باورچی تھا اور دوسرا اوپر کے دوسرے کام کرنے والا۔ایک کا نام طاہر تھا اور دوسرے کا رشید۔

اس وقت حمید یہ بھی سوچ رہا تھا کہ خواہ مخواہ کس مصیبت میں پڑ گیا۔ظاہر تھا کہ روحی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دو چار گھنٹے گذارے جاسکتے تھے۔اس کے بعد بقیہ وقت کو لنگڑے پن کی نذر کردینا کہاں کی عقلمندی تھی۔

یقیناً عقلمندی نہیں تھی۔لیکن وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔کوشش بھی کرتا تو دوسری ٹانگ کو جنبش نہ دے سکتا۔فریدی نے کئی گھنٹے تک اس ٹانگ میں کسی قسم کے سیال کی مالش کرائی تھی اور بڑے پر یقین انداز میں کہا تھا۔"کم از کم پندرہ دن کے لئے بے کار ہوئے تم..... کسی دن کوئی لڑکی ہی تمہاری موت کا باعث بھی بنے گی۔"

ٹانگ بالکل ہی بے حس ہو کر رہ گئی تھی۔بیساکھی کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا تھا۔

اُسے یاد آیا۔فریدی نے یہ بھی تو کہا تھا کہ بڑا سے بڑا میڈیکل ایگزامینیشن بھی اس پیر کو کارآمد ثابت نہیں کر سکے گا۔

وہ ٹہلتا اور سوچتا رہا..... ٹھیک چھ بجے روحی کی گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔حمید کی بیساکھی کی "کھٹ کھٹ" رک گئی تھی۔

"اونہہ..... مردود .....!" وہ توقیر کو بھی گاڑی میں دیکھ کر بڑبڑایا۔

توقیر بھی اُس کے ساتھ آیا تھا اور وہ اُسے سہارا دے کر گاڑی سے اتار رہی تھی۔

حمید نے جلد از جلد اپنا موڈ ٹھیک کر لینے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔ دونوں کو ڈرائینگ روم میں لاتے وقت اس نے کہا۔ ''یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ آپ توقیر صاحب کو بھی ساتھ لائی ہیں۔''

''ارادہ تو نہیں تھا۔'' وہ توقیر کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی ''لیکن شرط ہو گئی ہے ان سے۔''

''شرط.....کیسی شرط۔''

''ذرا اطمینان سے بیٹھ جائیں تو بتاؤں.....اوہ.....یہ بوڑھی عورت کون ہے۔''

''میری سیکریٹری۔''

''سیکریٹری۔'' روحی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں.....!''

''کیا کوئی جوان عورت نہیں ملی تھی۔''

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور اُس کی آنکھوں میں غم کی ایک لہر سی نظر آئی پھر کھسیانے انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''اب مجھ میں تاب نہیں رہی.....اس بیماری سے قبل ایک جوان ہی سیکریٹری تھی۔ لیکن مرض کا حملہ ہونے کے بعد وہ ملازمت چھوڑ گئی۔ تب سے میں نے عہد کیا ہے کہ بوڑھی ہی عورت رکھوں گا.....وہ مجھے ماں سا پیار دیتی ہے.....وہ اس طرح کبھی مجھ سے الگ نہیں ہو گی کہ میرا دل ٹوٹ جائے۔''

''واقعی آپ بہت دکھی ہیں۔''

توقیر اس دوران میں اپنا نچلا ہونٹ چباتا رہا تھا۔ اُن کے خاموش ہوتے ہی بول پڑا۔

''ہمیں وقت نہ ضائع کرنا چاہئے..... پونے سات بجے کا وقت مقرر ہوا تھا۔''

''کہیں چلنا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں.....!'' روحی نے مغموم لہجے میں کہا۔ ''لیکن میں ابھی تمہیں نہیں بتاؤں گی تمہیں دکھ ہو گا اور میں تمہیں مغموم دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ توقیر ہی کو مایوسی ہو گی۔''

''بات کیا ہے؟''

''ابھی نہیں بتاؤں گی۔''

''جیسی آپ لوگوں کی مرضی.....اچھے دوستوں کے لئے میں جان بھی دے سکتا ہوں۔ اگر کہیں پونے سات بجے پہنچنا ہے تو ہم کافی کا ایک کپ تو پی ہی سکیں گے۔''

''ہاں اگر یہ پندرہ منٹ کے اندر اندر ممکن ہو۔'' توقیر نے خشک لہجے میں کہا۔

حمید نے بوڑھی عورت سے کافی کے لئے کہا اور وہ چلی گئی۔

''میں کتنا خوش ہوں آپ لوگوں کی آمد پر..... بیان نہیں کر سکتا۔''

دونوں میں سے کوئی بھی کچھ نہ بولا۔ حمید کو ان کی یہ خاموشی کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ لیکن اس نے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''آپ نے کسی شرط کا تذکرہ کیا تھا۔''

''فی الحال ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔ کیا ایک دوست کی حیثیت سے تم مجھ پر اعتماد نہیں کر سکتے۔'' روحی نے کہا۔

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بے اعتمادی کا۔''

اتنے میں کافی آ گئی۔ شائد پانی پہلے ہی سے تیار تھا۔

کافی ختم کر لینے کے بعد حمید نے کہا۔ ''کیا میں اپنی گاڑی بھی نکلواؤں؟''

''کیا ضرورت ہے۔ میری گاڑی میں چلو۔''

کچھ دیر بعد گاڑی کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔ دونوں لنگڑے پچھلی سیٹ پر تھے اور روحی گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ خاصی مضحکہ خیز اور دلچسپ سچویشن ہے۔ ہنسنے کو جی چاہا تھا لیکن پھر وقت کی نزاکت کا خیال کرتے وقت اس خواہش کا گلا گھونٹ دینے ہی میں مصلحت نظر آئی۔

ویسے اُسے الجھن بھی تھی۔ اس شرط کا خیال آیا جس کا تذکرہ روحی نے کیا تھا۔ تو کیا اس وقت کا سفر اُسی شرط سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس کی الجھن دور ہو گئی۔ گاڑی

ایک ڈاکٹر کے مطب کے سامنے رکی۔

''تو یہ بات ہے۔'' اس نے سوچا۔ توقیر نے شائد اسے بنا ہوا لنگڑا ثابت کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اپنی موجودگی میں طبی معائنہ کرانا چاہتا ہے۔

''یہ ایک ماہر معالج ہے۔'' روحی بولی۔ ''میرا خیال ہے کہ تمہارا معقول علاج کر سکے گا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ ضروری نہیں کہ فریدی کا ہر دعویٰ درست ہی ثابت ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سیال کا اثر زائل ہو چکا ہو جس کی مالش کچھ دن پہلے اس ٹانگ میں کی گئی تھی۔

بہر حال وہ تن بہ تقدیر ہو کر مختلف قسم کے آلات سے دوچار ہوتا رہا۔ ویسے وہ ڈاکٹر کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار ضرور محسوس کرتا رہا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد اس نے ڈاکٹر کا ریمارک بھی سنا۔

''مسلس بالکل بیکار ہو چکے ہیں۔ کچھ شریانیں بھی خشک ہو گئی ہیں۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دوبارہ چل سکیں گے یا نہیں۔''

حمید نے دیکھا کہ توقیر کا منہ لٹک گیا ہے۔ روحی نے ڈاکٹر کی فیس ادا کی تھی اور پھر گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔

توقیر کچھ نہ بولا۔ اس نے حمید کو متوجہ کر کے کہا۔ ''توقیر صاحب کا خیال تھا کہ تم بن رہے ہو تا کہ دوسروں کی ہمدردیاں حاصل کر سکو۔''

''اوہ.....!'' حمید نے کہا اور آنکھیں بند کر کے پشت گاہ سے ٹک گیا۔

توقیر ہولے ہولے اس کا شانہ تھپک رہا تھا۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''مجھے اپنے اس توہم پر شرمندگی ہے میرے دوست۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ البتہ اپنا نچلا ہونٹ اس طرح دانتوں میں دبا لیا تھا جیسے امنڈنے والے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''مناسب یہی ہے کہ اب تم اپنی زبان نہ کھولو۔'' روحی نے توقیر کو مخاطب کیا تھا۔

توقیر صرف کھنکار کر رہ گیا۔

گاڑی تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔

''اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔'' توقیر نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''تمہیں تمہارے گھر چھوڑیں گے۔'' روحی نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

''کک..... کیوں.....؟''

''میں آج ساجد کو اپنی لائبریری دکھاؤں گی۔''

''مم..... میں بھی چلوں گا۔''

''تم پہلے ہی دیکھ چکے ہو..... اس لئے تمہاری موجودگی ضروری نہیں۔''

حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے سوچ رہا تھا دیکھئے اب کیا ہو؟

لنگڑوں کی شامت

''ہوں.....!'' فریدی پر تفکر انداز میں بولا۔ ''تو تم نے اس کی لائبریری دیکھی۔''

''یہ لڑکی..... میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''کیوں.....؟''

گھر لے گئی اور منہ پھلائے بیٹھی رہی۔ میں نے پوچھا لائبریری کب دکھاؤ گی۔ کہنے لگی مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے لنگڑوں سے نفرت نہ ہو جائے۔ میں نے اس خدشے کی وجہ پوچھی تو بولی۔ توقیر ہی کی طرح تم بھی حاسد اور کمینے ثابت ہو سکتے ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ میں صرف اُسی تک محدود رہوں۔ میں نے کہا یہ زیادتی ہے اُس پر اس نے سڑا سا منہ بنا کر کہا کچھ دنوں بعد تم بھی مجھے اپنی ملکیت سمجھنے لگو گے۔ حالانکہ مجھے صرف بے بسی سے پیار ہے۔ یہ بے بسی مجھے کسی خارش زدہ کتے میں بھی نظر آ سکتی ہے اور میں اُسے بھی گلے لگا سکتی ہوں۔''

''ہوں.....!'' فریدی سر ہلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری کیا حیثیت ہے۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''کیا مطلب.....؟''

''اس کیس میں میری کیا حیثیت ہے۔''

''کیس.....!'' فریدی نے حیرت سے کہا اور پھر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''میں نے یہ دردسر محض تمہاری خواہش کی بناء پر مول لیا ہے۔ تم فضل مجید اور روحی سے انتقام لینا چاہتے تھے۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ.....!''

''میرا وقت نہ برباد کرو..... یہ بتاؤ کہ اب کیا چاہتے ہو۔''

''میری ٹانگ کا میڈیکل اگزامینیشن ہو چکا ہے۔ اب زیادہ دیر تک لنگڑا پن برداشت نہیں کر سکتا۔''

''ٹھیک ہے..... اب اس کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تم اس کھیل کو فوری طور پر ختم نہیں کرنا چاہتے تو تمہیں خود کو لنگڑا ہی پوز کرتے رہنا پڑے گا۔''

''آخر کب تک.....؟''

''حمید! تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ کیا تم میری کسی اسکیم پر عمل کر رہے ہو۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کر بیٹھا ہوں۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اس بار کچھ کر بیٹھنے کے بعد بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا ورنہ عموماً تم اس کے عادی رہے ہو کہ کوئی حرکت کر بیٹھنے کے بعد ہی.....!''

''خدا کے لئے میرے ذہن کو زیادہ نہ الجھایئے۔'' حمید بات کاٹ کر بولا۔

''اچھا تو پھر تم بھی خاموش بیٹھو..... میں اس وقت کچھ سوچ رہا ہوں۔''

''کیا اسی کیس کے بارے میں.....!''

''اس تصویر کے دشمن کے بارے میں جو کتابوں پر سے صرف ٹائیٹل ڈیزائن پھاڑ لے جاتا ہے۔''

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے پائپ میں تمبا کو بھرنے لگا۔

پتہ نہیں کس طرح چھپتا چھپاتا فریدی تک پہنچا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ اور کیا حاصل ہوا کہ بیکار ہو جانے والی ٹانگ دوبارہ کار آمد ہو گئی تھی۔ دوسرا سیال عجیب تھا۔ جلد سے مس ہوتے ہی ایسا لگا تھا جیسے گوشت اور پٹھوں سے گذرتا ہوا ہڈی سے جا ٹکرایا ہو۔ پھر اُس کا ردعمل شروع ہوا تھا اور اس نے محسوس کیا تھا جیسے بے جان رگوں اور پٹھوں میں کھنچاؤ پیدا ہو گیا ہو۔

اب اس وقت وہ اپنی عارضی قیام گاہ پر اپنی اس عارضی طور پر مفلوج ہو جانے والی ٹانگ سے باقاعدہ طور پر کام لے رہا تھا۔

کلاک نے جیسے ہی گیارہ بجائے کسی نے باہر وزیٹنگ بیل کا بٹن بھی دبایا اور تیز قسم کی آواز سے پوری عمارت گونج اٹھی۔

کون ہو سکتا ہے؟ اس نے سوچا۔ آج روحی بھی نہیں آئی تھی۔ کیا اتنی رات گئے وہ آئی ہوگی۔

بہر حال ملازم نے کچھ دیر بعد آ کر اطلاع دی کہ روحی اور توقیر ڈرائنگ روم میں اس کے منتظر ہیں۔

حمید نے سلیپنگ گاؤن پہنا اور بیساکھی سنبھال کر ڈرائینگ روم کی طرف چل پڑا۔

''آج ہم دونوں ہی بڑے اچھے موڈ میں ہیں۔'' روحی اسے دیکھ کر چہکی۔

''بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے کرم فرمایا۔ مجھے بھی نیند آ رہی تھی۔'' حمید بولا۔

''بور تو نہ ہو جاؤ گے۔''

''کیا بات کرتی ہیں آپ..... آپ لوگوں کی صحبت سے بور ہو جاؤں گا۔''

توقیر خاموش تھا۔ حمید نے اُس کے چہرے پر اچھے آثار نہیں دیکھے تھے۔

''اس سلیپنگ گاؤن میں تم بڑے اچھے لگتے ہو۔'' روحی نے کہا۔

اور حمید شرما جانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا دوسری طرف دیکھنے لگا۔ پھر توقیر سے نظریں ملیں اور جھک گئیں۔ اُس نے توقیر کی آنکھوں میں شدید ترین جھلاہٹ دیکھی تھی۔

''لیکن ہم بیکار تو نہیں بیٹھیں گے۔'' روحی نے کچھ دیر بعد کہا۔ حمید اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''میں کہتا ہوں.....!'' توقیر کی آواز پھنس گئی۔

''تم کچھ بھی کہتے نہیں..... کہتے بھی ہو تو میں سننے پر تیار نہیں۔ ضروری نہیں کہ ہم روزانہ ایک ہی قسم کی تفریح کریں۔''

''روحی..... مم..... میرا مطلب تھا.....!''

''اچھا..... اچھا..... میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔''

حمید نے محسوس کیا جیسے روحی کا موڈ بگڑ گیا ہو۔ وہ کچھ دیر تک پھولی بیٹھی رہی پھر غرائی ہوئی سی آواز میں بولی۔ ''تم دونوں ہی کان کھول کر سن لو..... میں ہمیشہ اپنے دوستوں پر چھائی رہنے کی عادی ہوں۔''

''جی ہاں..... میں سمجھتا ہوں..... آپ کے بارے میں میرا یہی اندازہ تھا۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن مجھے تمہارا یہ انداز بھی پسند نہیں۔ جب مجھے غصہ آتا ہے تو میرا کوئی دوست میرے سامنے مسکرانے کی جرأت نہیں کرتا۔''

''بڑی مصیبت ہے۔'' حمید مسکراتا ہوا بولا۔

''کیا مصیبت ہے۔''

''دوسروں کو غصے میں دیکھ کر مجھے ہنسی آتی ہے۔''

''بکواس ہے..... ناممکن.....!''

بچپن ہی سے اس بُری عادت کا شکار رہا ہوں اور اب تو یہ فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ بچپن ہی سے میرے پاپا مجھے ڈانٹتے تھے تو مجھ پر ہنسی کا دورہ پڑجاتا تھا۔

''میرے ساتھ یہ نہیں چلے گی۔''

''مجبوری ہے محترمہ روحی۔''

''کیا کہا.....؟'' روحی نے غضب ناک انداز میں آنکھیں نکالیں۔

حمید ہنس پڑا۔

''یہ کیا نامعقولیت ہے۔'' دفعتاً توقیر دہاڑا اور حمید سہم جانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''کیا تم بالکل ہی غیر صحبت یافتہ ہو۔'' توقیر نے اُس سے پوچھا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''مادام روحی کہہ رہی ہیں کہ انہیں غصے میں کسی کی بھی ہنسی پسند نہیں آتی۔''

''میں سن رہا ہوں مسٹر توقیر.....!'' دفعتاً حمید کا موڈ بھی بدل گیا۔

''تم اپنا لہجہ ٹھیک کرو۔'' توقیر کی آنکھیں گویا ابل سی پڑیں۔

''تم بکواس بند کرو.....اور چلے جاؤ یہاں سے۔'' دفعتاً روحی اُسی پر الٹ پڑی اور توقیر ہکا بکا رہ گیا۔

حمید کو بھی اس پر حیرت ہوئی تھی۔ لیکن اُس نے اس کا اظہار نہ ہونے دیا۔ توقیر تو سناٹے میں آ ہی گیا تھا۔

''تم دونوں ہی ایک دوسرے پر اپنی برتری کبھی نہ جتاؤ گے سمجھے۔'' روحی نے مربیانہ لہجے میں پھر اپنے غصے کا اظہار کیا۔

توقیر نے سعادت مندانہ انداز میں سر جھکا لیا تھا۔ لیکن حمید شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ روحی کو دیکھے جا رہا تھا۔

''تم سچ مچ بچپن میں بھی سرکش رہے ہو گے۔'' روحی نے اُس سے کہا۔

''لنگڑے پن کی وجہ سے میری روح مضمحل نہیں ہوئی۔ کبھی کبھی وقتی طور پر پژمردہ ہو جاتا ہوں۔''

''پتہ نہیں کیوں میں تمہیں اتنا پسند کرنے لگی ہوں۔ ورنہ اپنی خواہشات کے آگے سر نہ جھکانے والے دوستوں کو جوتے کی نوک پر رکھتی ہوں۔''

''میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں مادام روحی جنہیں عورتیں جوتے کی نوک پر رکھ سکیں۔ لڑکیوں کے نخرے ناپسند ہونے ہی کی بناء پر میں نے بوڑھی سیکریٹری رکھ چھوڑی ہے۔''

''لیکن پہلے تو تم نے اس کی اور کوئی وجہ بتائی تھی۔''

''میں پانچ ہزار لفظ فی منٹ کی رفتار سے جھوٹ بول سکتا ہوں۔''

''تم بالکل مختلف ثابت ہو رہے ہو میرے اندازے سے۔''

''میں پھر کہتا ہوں مادام روحی۔'' دفعتاً توقیر بول اٹھا۔ ''محض آپ کی دوستی حاصل کرنے کے لئے یہ ہماری میز کے قریب لڑکھڑایا تھا۔''

''تم پھر بولے۔ میں نے کہا تھا خاموش رہنا۔''

''میری ہی چھت کے نیچے میری توہین کر رہے ہو۔'' حمید توقیر کو گھورتا ہوا بولا۔

''میں اب کچھ نہ کہوں گا۔'' توقیر نے بہت زیادہ جھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کے خیال سے خاموش ہوں مادام روحی ورنہ بیساکھی مار کر اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیتا۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''تم ایسے ہی معلوم ہوتے ہو۔'' روحی مسکرائی۔

توقیر کباب ہو کر رہ گیا تھا اس ریمارک پر..... حمید نے یہی محسوس کیا۔

''کافی یا چائے مادام روحی۔'' حمید نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اپنے لئے ایک سگریٹ منتخب کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن تم سگریٹ پیتے ہوئے بالکل اچھے نہیں لگتے۔'' روحی منہ بنا کر بولی۔

''سگریٹ تو میں نہیں چھوڑ سکتا۔''

''میں کب کہہ رہی ہوں۔ میں نے تو صرف اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔''

''مجھ سے کبھی کچھ کہہ کر دیکھئے۔'' توقیر بولا۔

''تم اُلو ہو۔'' روحی نے لاپروائی سے کہا اور پھر حمید کی طرف متوجہ ہوگئی۔ حمید نے توقیر کے چہرے پر کھسیاہٹ محسوس کی لیکن توقیر اب اس سے بھی نظریں چرا رہا تھا۔

دفعتاً وزیٹنگ بیل کی تیز آواز ایک بار پھر پوری عمارت میں گونجی اور روحی سوالیہ انداز میں حمید کو گھورنے لگی۔

''کیا اور کوئی بھی ہے اتنی رات گئے آنے والا۔'' اُس نے اس سے پوچھا۔

''کوئی بھی نہیں.....آپ دونوں کے علاوہ اور کسی سے یہاں میری جان پہچان نہیں۔''

''تو پھر.....تو پھر.....وہ ڈیڈی ہی ہوں گے۔'' وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''کئی دن سے میری ٹوہ میں ہیں۔''

توقیر بھی اس بات پر کچھ نروس سا نظر آنے لگا۔ حمید نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ ٹھیک اُسی وقت ملازم ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور حمید کی طرف کسی کا وزیٹنگ کارڈ بڑھا دیا۔

''اوہ..... یہ کون صاحب ہیں.....آپ نے یہی نام تو بتا دیا تھا اپنے والد کا۔ سر فضل مجید.....!'' حمید کارڈ پر نظر جمائے ہوئے بڑبڑایا۔

''خدا رحم کرے.....اب میں کیا کروں۔'' روحی بڑبڑائی۔

''آپ دوسرے کمرے میں چلی جایئے۔'' حمید نے تجویز پیش کی۔

''لیکن میری گاڑی تو کمپاؤنڈ میں موجود ہے۔ وہ کسی طرح بھی دھوکا نہ کھا سکیں گے۔''

''اچھا تو پھر میں دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہوں۔'' توقیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ہاں..... یہ ٹھیک ہے۔ کم از کم یہ تو ہوگا کہ.....!'' وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگئی۔

حمید نے بھی بوکھلا جانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے پچھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور توقیر اٹھ کر بیساکھی ٹیکتا ہوا پردے کے پیچھے غائب ہوگیا۔

حمید نے ملازم سے کہا۔ ''انہیں یہاں لاؤ۔''

ملازم کے چلے جانے کے بعد حمید اور روحی خاموش ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

فضل مجید کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کی آنکھیں غصے سے اُبلی پڑ رہی تھیں۔

تھوڑی دیر تک قہر آلود نظروں سے دونوں کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

''اب یہ دوسرا لنگڑا.....روحی میں تمہیں گولی ماردوں گا۔''

''ڈیڈی پلیز.....!''

''شٹ اپ.....!''

''آپ زیادتی کر رہے ہیں۔''

''میں کہتا ہوں چپ رہو۔''

''اچھی بات ہے.....تو خفا رہئے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''کیا آپ کی دوستی عورتوں سے نہیں۔''

''نہ وہ لنگڑی ہیں اور نہ گونگی بہری ہیں۔''

''تو کیا مجھے اس کا بھی حق حاصل نہیں کہ اپنے پسند کے آدمیوں سے مل سکوں۔''

''ارے تو لنگڑے۔''

''آپ کو میرے دوستوں کی توہین کرنے کا حق حاصل نہیں۔''

''یاد رکھو جائیداد سے محروم کردوں گا۔''

''میری بھی بہت بڑی جائیداد ہے۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا

''تم چپ رہو جی۔''

''ڈیڈی پلیز.....میں التجا کرتی ہوں۔'' روحی پھر ڈھیلی پڑ گئی۔

''میں آج اس کا فیصلہ کر کے رہوں گا۔''

''آپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے.....میں ساجد سے شادی کروں گی۔''

''کیا کہا.....؟''

''ساجد سے شادی کروں گی۔''

''میں تمہیں ابھی گولی مار دوں گا۔''

''ذرا مار کر تو دیکھو.....فوراً ہی میں بھی خودکشی کرلوں گا۔'' حمید بول پڑا۔

''بہت بہتر..... پہلے آپ خودکشی کر لیجئے.....پھر میں اسے گولی مار دوں گا۔'' سر فضل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اتنا اُلو نہیں ہوں۔''

''روحی تمہیں ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلنا ہے۔''

''یہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔ اس لئے مجھے حق پہنچتا ہے کہ آپ کے اس رویئے پر احتجاج کروں۔'' حمید چیخ کر بولا۔

''وہ تھپڑ رسید کروں گا کہ سارے دانت باہر آ جائیں گے۔''

حمید نے جواب میں کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ اس کی طاقت کا اندازہ پہلے ہی سے تھا۔

''ڈیڈی.....ڈیڈی.....ڈیڈی۔''

''بکو مت.....!''

''میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گی اگر آپ نے مجھے میرا یہ حق استعمال نہ کرنے دیا۔''

''یعنی ایک لنگڑے سے شادی کا.....!''

''بار بار ساجد کی توہین نہ کیجئے۔''

''میں اس کی دوسری ٹانگ بھی بیکار کردوں گا۔''

حمید کا دل چاہا کہ لنگڑے پن کو بالائے طاق رکھ کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ ایک بڑی دلکش لڑکی کا باپ ہے جہاں تھا وہیں رک گیا۔

''ڈیڈی میں خودکشی کرلوں گی۔''

''بڑی خوشی ہوگی مجھے اگر تم ایسا کرسکو۔''

''آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ ساجد بھی کافی دولت مند ہے۔''

فضل مجید خاموش ہوگیا تھا۔ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''توقیر سے زیادہ دولت مند

نہ ہوگا۔"

"اچھا چلئے یہی سہی.....لیکن دولت مندی ہی تو سب کچھ نہیں ہے۔"

"تو کیا یہ توقیر سے زیادہ لنگڑا ہے۔" اُس کے ڈیڈی نے بے حد زہریلے لہجے میں کہا۔

"خدا کے لئے ڈیڈی سمجھنے کی کوشش کیجئے۔"

"تو پھر توقیر سے زیادہ گدھا ہوگا۔"

"ڈیڈی.....!"

"شٹ اپ.....!" اس نے چیخ کر کہا اور حمید سے بولا۔ "کیوں شامت آئی ہے تمہاری۔ یہ لڑکی صحیح الدماغ نہیں ہے۔ کل تک توقیر پر جان دیتی تھی۔"

"ڈیڈی.....!" وہ وحشیانہ انداز میں چیخی۔

"تم پاگل ہو.....!" فضل مجید دہاڑا۔ "لنگڑوں کی بے بسی سے اکتساب لذت تمہارا محبوب مشغلہ ہے۔"

"ڈیڈی میں بہت بھیانک ہو جاؤں گی۔"

"کیا اس سے زیادہ جتنی اب ہو بنی نوع انسان کے لئے۔"

"ساجد تم ان کے بہکانے میں مت آنا۔ یہ ہر قیمت پر کوئی بہت زیادہ دولت مند داماد چاہتے ہیں۔"

"میرے پاس کروڑوں کی جائیداد ہے۔!" حمید نے چھاتی ٹھونک کر کہا۔

"اوہ.....تو تم خود ہی جہنم رسید ہونا چاہتے ہو۔"

"نہیں آپ کا فرزند رشید ہونا چاہتا ہوں.....اب غصہ تھوک دیجئے اور مجھے گلے لگا لیجئے۔"

"شائد تمہارا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"روحی اگر میری ایک ایک بوٹی بھی الگ کر دیں گی تو مجھے شکایت نہ ہوگی۔"

فضل مجید ایک کرسی پر گر کر ہانپنے لگا۔

روحی سر جھکائے کھڑی تھی اور حمید اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ وہ تو یہ بھول گیا تھا کہ توقیر

دوسرے کمرے میں موجود ہے۔

کچھ دیر بعد وہ حمید کی طرف مڑ کر مضمحل آواز میں بولا۔ ''اچھا تم دوسرے کمرے میں جاؤ۔ میں روحی سے اس مسئلے پر تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''ہرگز نہیں۔ اگر آپ نے میری عدم موجودگی میں انہیں گولی ماردی تو میں کیا کروں گا۔''

''اچھا تو کیا تمہاری موجودگی میں ایسا نہیں کرسکتا۔'' سر فضل مجید نے آنکھیں نکالیں۔

''چلے جاؤ ساجد.....!'' روحی گھگھیائی۔ ''جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی کرو۔ اسی پر ہماری آئندہ زندگی کا انحصار ہے۔''

''آپ کہتی ہیں تو چلا جاتا ہوں۔'' حمید بیساکھی ٹیک کر اٹھتا ہوا بولا۔

اُس نے اپنی آنکھوں میں تشویش کے آثار پیدا کئے تھے اور احمقانہ انداز میں باری باری سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر جیسے ہی وہ پردہ ہٹا کر دوسرے کمرے میں داخل ہوا کسی نے جھپٹ کر اسے دبوچ لیا۔ بے خیالی میں پہلی ٹکر فرش پر لے آئی تھی اور حملہ آور اُس پر سوار ہو کر اُس کا گلا گھونٹنے لگا تھا۔

حمید اس حملے کے لئے تیار نہ تھا۔ جتنی دیر میں وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا توقیر کی گرفت اس کی گردن پر بہت سخت ہوگئی اور اب تو وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا تھا۔

کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں پھر آنکھوں میں اندھیرا بھی چھانے لگا۔

دفعتاً اس نے سر فضل مجید کی گرج سنی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟ توقیر الگ ہٹو..... اُسے چھوڑ دو۔ ورنہ گولی ماردوں گا..... یہ دیکھو میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔''

حمید کی گردن پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

''کھڑے ہو جاؤ۔'' فضل مجید پھر گرجا۔

توقیر اس پر سے اٹھ گیا۔

''پیچھے ہٹو.....!'' فضل مجید دہاڑا۔

اب تو حمید بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''خدا کی پناہ..... یہ تو دونوں ہی لنگڑے نہیں ہیں۔'' فضل مجید نے کہا اور خود لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جالگا۔

توقیر کا چہرہ بالکل سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں اُبلی پڑ رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی لال لال انگاروں جیسی آنکھوں سے کچھ سجھائی ہی نہ دے رہا ہو۔

حمید بھی بیساکھی کی مدد کے بغیر اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

''یہ کیا ہو گیا.....؟'' روحی دردناک لہجے میں بولی۔

''میں لنگڑوں سے زیادہ مفید ثابت ہوں گا۔'' حمید تڑ سے بولا۔ ''تم چاہو گی تو ٹانگیں رکھنے کے باوجود بھی تمہارے پیچھے گھسٹتا پھروں گا۔ تم سے کبھی نہ پوچھوں گا کہ اس سے پہلے تم کتنے لنگڑوں سے محبت کر چکی ہو۔''

''چپ ہو جاؤ دغا باز.....!'' روحی دانت پیس کر چیخی۔

''بس اتر گیا محبت کا نشہ.....!'' سر فضل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''آپ مطمئن رہئے محترم۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''شادی کے بعد بھی یہ دو چار لنگڑوں سے محبت کر سکیں گی مجھے اعتراض نہ ہو گا۔''

''شٹ اپ.....!'' روحی اور اُس کا ڈیڈی بیک وقت چیخے تھے۔

''ابے تو چپ رہتا ہے یا نہیں۔'' توقیر پھر حمید پر جھپٹ پڑا۔ لیکن اس بار سر فضل نے کچھ نہ کہا۔ ریوالور والا ہاتھ بھی اس نے نیچے جھکا دیا تھا۔

حمید اس بار پوری طرح ہوشیار تھا۔ اُس نے بائیں جانب ہٹ کر الٹا داہنا ہاتھ اس کی کنپٹی پر جڑ دیا۔ یہ ہاتھ ایسا سدھا ہوا تھا کہ بھینسا بھی اپنی جگہ سے ہل تو ضرور جاتا۔ لیکن توقیر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ ہاتھ کسی ستون پر پڑا ہو۔

توقیر پھر اس کی طرف گھوما اور حمید نے پینترہ بدلنے کی کوشش کی ہی تھی کہ توقیر کی ٹانگ چل گئی اور وہ لڑکھڑا کر دیوار سے جا ٹکرایا۔

دفعتاً سر فضل کی آواز گونجی۔ ''مجھے بتاؤ کہ تم دونوں کیا بلا ہو۔ ورنہ زندہ دفن کردوں گا۔ توقیر جہاں ہو وہیں ٹھہرو..... میں بڑی بے دردی سے گولی مار دیتا ہوں۔''

''مجھے سمجھنے کی کوشش کیجئے ڈیڈی۔'' توقیر نے نرم لہجے میں کہا۔

''تمہیں اب کیا سمجھنے کی کوشش کروں.....ساجد تم بھی اپنی جگہ ٹھہرو..... ہلنا نہیں ورنہ تم جانو۔''

حمید دیوار سے لگا کھڑا رہ گیا کیونکہ سر فضل کا ریوالور پھر ان دونوں کی طرف اٹھ گیا تھا۔

توقیر نرم لہجے میں بولا۔ ''ڈیڈی..... یہ بات اس کمرے سے باہر نہیں نکلے گی کہ میں لنگڑا نہیں ہوں۔''

''تمہیں تو میں جیل بھجواؤں گا۔'' سر فضل غرایا۔

اس پر توقیر مسکرا کر بولا۔ ''جیسے میں تو تمہارے کرتوتوں سے واقف ہی نہیں۔''

حمید نے سر فضل کو چونکتے دیکھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر توقیر کو گھور رہا تھا۔

پھر دفعتاً وہ توقیر کے دل کا نشانہ لیتا ہوا بولا۔ ''میں سمجھ گیا۔ تم کوئی سرکاری جاسوس ہو۔''

توقیر ہنس پڑا اور حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں تو نہیں لیکن یہ ضرور ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مجھے شبہ تھا اسی لئے اس کی ناکارہ ٹانگ کا طبی معائنہ کرایا تھا۔''

''لیکن ڈاکٹر نے تو اسے ناکارہ ہی قرار دیا تھا۔'' روحی بولی۔

''پھر بھی.....آپ دیکھ ہی رہی ہیں اسے.....!''

''میں تو تمہیں بھی دیکھ رہی ہوں.....!'' روحی زہریلے لہجے میں بولی۔

''تم ملازمین کو دیکھو۔'' فضل مجید توقیر اور حمید کو گھورتا ہوا روحی سے بولا۔ ''میں انہیں یہیں ختم کروں گا۔''

''بہت احتیاط سے ڈیڈی۔''

''تم بے فکر رہو۔'' فضل مجید نے کہا اور روحی اس کمرے سے چلی گئی۔

حمید نے ابھی تک توقیر کے چہرے پر بے اطمینانی یا الجھن کے آثار نہیں دیکھے تھے۔ وہ اس طرح کھڑا تھا جیسے کسی بہت زیادہ دلچسپ گفتگو میں حصہ لے رہا ہو۔

دفعتاً اُس نے ہنس کر کہا۔ ’’سر فضل! میں نے روحی کے احترام میں تم سے کھل کر گفتگو نہیں کی تھی۔تم کم از کم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔‘‘

’’کیا مطلب.....؟‘‘

’’تم آخر سرکاری جاسوسوں سے کیوں خائف ہو۔ہمیں سرکاری جاسوس ہی سمجھ کر مار کیوں ڈالنا چاہتے ہو۔‘‘

’’تم کیا کہنا چاہتے ہو؟‘‘ فضل مجید غرایا۔

’’یہی کہ معمولی سی مشابہت ہر ایک کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔‘‘

’’کیا مطلب.....؟‘‘

’’تم سر فضل مجید سابق والئی بونگا اسٹیٹ نہیں ہو۔‘‘

’’آ.....ہم.....!‘‘ فضل مجید نے طویل سانس لی۔

’’لیکن تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ مجھے روحی سے بے اندازہ محبت ہے اور میں قانونی طور پر اُسے اپنا بنانا چاہتا ہوں۔‘‘

’’بکواس کر چکے تم.....اب مجھے بھی کچھ کہنے دو۔‘‘

’’میں سن رہا ہوں.....!‘‘ توقیر نرم لہجے میں بولا۔

’’تم بھی کوئی اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔ورنہ لنگڑے پن کا ڈھونگ کیوں رچاتے۔‘‘

’’میں کب کہتا ہوں کہ میں اچھا آدمی ہوں۔‘‘

’’لیکن میں فضل مجید والئی بونگا اسٹیٹ ہی ہوں۔‘‘

توقیر نے زہریلے لہجہ میں قہقہہ لگایا اور بولا۔ ’’میری معلومات بہت وسیع ہیں دوست! سر فضل مجید اس وقت مغربی برلن میں الیکٹرونکس میں سر کھپا رہا ہوگا۔‘‘

’’میں اب تمہیں کسی قیمت پر بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔‘‘

’’میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ اتنی آسانی سے مار لیا جاؤں.....میرا نام توقیر ہے اور یہ بھی سنو کہ تمہارے کرتوتوں سے بھی بخوبی واقف ہوں۔بیگم نصیر کے پرس سے تجوری کی کنجی تم نے ہی پار

کی تھی۔ یاد کرو جب میں نے تم لوگوں کو اپنے پکائے ہوئے مرغ کھلائے تھے اور پہلی بار میرا تعارف تم لوگوں سے ہوا تھا۔ اسی دن بیگم نصیر کی تجوری سے ہیروں کے دو ہار غائب ہوئے تھے۔"

"روحی کی واپسی تک بکواس کرلو۔ وہ ملازمین کا انتظام کرنے گئی ہے اس کے بعد.....

ہونہہ..... یہ ریوالور بے آواز ہے۔ نال پر چڑھا ہوا سائیلنسر تو تم پہچانتے ہی ہو گے۔"

"تیز آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہیں اپنا بزنس پارٹنر بننے کی پیش کش بھی کرتا ہوں۔" توقیر مسکرا کر بولا۔

"بزنس پارٹنر.....!"

"ہاں..... آں..... بہت لمبا بزنس ہے میرا۔ اربوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے بعض اوقات۔"

"ذرا میں بھی تو سنوں۔"

"پورے مڈل ایسٹ اور فار ایسٹ کے کچھ حصے کا بے تاج بادشاہ سمجھ لو مجھے۔"

"منشیات کی تجارت.....؟" سر فضل نے پوچھا۔

"منشیات کے علاوہ بھی..... سونا اور جواہرات.....!"

"پھر یہ کون ہے؟" سر فضل نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

اتنے میں روحی واپس آ گئی۔

"کیا رہا.....!" سر فضل نے پوچھا۔ جواب میں روحی نے کہا۔ "بے ہوشی ملا دی تھی کافی میں۔ تینوں بے ہوش پڑے ہیں۔"

"ویری گڈ..... اب میرے پیچھے کھڑی ہو جاؤ..... میں ان دونوں کا خاتمہ کیے دیتا ہوں۔ خطرناک لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ ہم نے بڑا دھوکہ کھایا۔"

"آخر تم کس طرح مطمئن ہو سکتے ہو۔" توقیر نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

اگر میں تمہارے بیان پر یقین بھی کرلوں اور تمہارا پارٹنر بننا بھی منظور کرلوں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم بعد کو مجھے اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہ کرو گے۔

توقیر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "اس کی تدبیر بھی ہو سکتی ہے۔ ہم دونوں ہی اپنے

جرائم کے اعتراف نامے ایک دوسرے کے حوالے کر دیں۔ اس طرح ہم دونوں ہی کی کور ایک دوسرے سے دبتی رہے گی۔"

"چلو یہ ٹھیک ہے۔ بہت اچھی تجویز ہے۔" سر فضل سر ہلا کر بولا۔

"لیکن یہ بھی ذہن نشین کرلو کہ میں یہ سب کچھ روحی کے حصول کے لئے کر رہا ہوں۔"

"کیا حرج ہے ڈیڈی۔" روحی بول پڑی۔ "بقیہ دنیا کے لئے تو یہ اس کے بعد لنگڑے ہی ہوں گے۔ میں بھی لنگڑا سمجھوں گی۔"

"بڑی اعلیٰ نسل کی کتیا معلوم ہوتی ہو۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"شٹ اپ.....!" سر فضل اور توقیر بیک وقت دہاڑے اور پھر سر فضل غرایا۔ "کیوں نہ اسے ختم کر دیں۔"

"ابھی نہیں۔" توقیر نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ یہ حقیقتاً کون ہے؟"

"تو پھر.....؟"

"اسے باندھ کر یہیں ڈال دیں اور جو بات زبانی طور پر ہوئی ہے اُسے تحریر میں آ جانے کے بعد میں اسے دیکھ لوں گا۔"

ذرا ہی سی دیر میں روحی اور توقیر نے اُسے باندھ کر ایک طرف ڈال دیا۔

حمید بڑی گھٹن محسوس کر رہا تھا۔ لڑ جانا چاہتا تھا لیکن اپنی جانب اٹھے ہوئے ریوالور کی نال بھی اُسے صاف نظر آ رہی تھی۔

روحی نے اپنے وینٹی بیگ سے قلم نکالا اور پھر شائد کاغذ کی تلاش میں باہر چلی گئی۔

توقیر اور سر فضل خاموش کھڑے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ہی سادہ کاغذ کے شیٹ لئے الگ الگ بیٹھے نظر آئے۔ ان کے قلم تیزی سے چل رہے تھے۔ پندرہ منٹ بعد دونوں نے تحریروں کا تبادلہ کیا اور انہیں بغور پڑھنے لگے۔

"بہت بڑے بڑے کارنامے ہیں۔" توقیر طویل سانس لے کر بولا۔

''تم کس سے کم ہو۔'' سرفضل مجید اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

دونوں نے ایک دوسرے کے اعتراف نامے تہہ کر کے جیب میں رکھ لئے۔

''دوستی کا ہاتھ.....!'' توقیر اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

سرفضل نے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''طاقت دکھا رہے ہو۔''

''کیا حرج ہے۔'' توقیر مسکرایا۔ ''روحی اکثر تمہاری جسمانی قوت کی کہانیاں سناتی رہی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے جرائم سے تو واقف ہی ہو گئے ہیں..... کیوں نہ ایک دوسرے کی طاقت کا بھی اندازہ کر لیں۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں توقیر.....!'' سرفضل نے کہتے ہوئے جھٹکا دیا اور توقیر اُس سے آ ٹکرایا۔ پھر دوسرا دھکا اُسے سامنے والی دیوار تک لے گیا۔ حمید ایسی پوزیشن میں پڑا ہوا تھا کہ انہیں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

اس نے توقیر کی آنکھوں میں شدید ترین جھلاہٹ کے آثار دیکھے۔ وہ غراتا ہوا سرفضل کی طرف بڑھا۔

''اب میرا بھی ایک ہاتھ سنبھالو..... میں غافل تھا۔''

''آؤ..... آؤ.....!'' سرفضل نے پرسکون لہجے میں کہا۔ اُدھر روحی حمید کی طرف جھپٹی اور اُس کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر اپنے زانوں پر رکھ لیا اور سر سہلاتی ہوئی بولی۔ ''انہیں زور آزمائی کرنے دو۔ اس وقت تو تم لنگڑوں سے بھی بدتر نظر آ رہے ہو۔ اس لئے مجھے تم پر پیار آ رہا ہے۔''

''تم کتیا سے بھی بدتر ہو..... اپنی مثال آپ..... اپنی قسم کی پہلی لڑکی..... مجھے بڑا ناز تھا اپنی اس صلاحیت پر کہ میں عورتوں کو سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن..... لیکن اب میں اپنے انجام سے بے پروا ہو کر صرف تمہیں سمجھنا چاہتا ہوں۔ اور یہ کیا..... یہ تو سچ مچ مرنے مارنے پر آمادہ نظر آ رہے ہیں۔''

''اُدھر مت دیکھو تم.....!'' روحی نے بدستور اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا۔ ''بہت اچھے لگ رہے ہو اس وقت..... بہت پیارے..... کاش میں ڈیڈی کی موجودگی میں تمہیں پیار کر سکتی۔''

''کاش میرے ہاتھ آزاد ہوتے اور میں تمہارا گلا گھونٹ سکتا۔''

''اسی وجہ سے تو پیارے لگ رہے ہو کہ تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔''

''یہ کیا کر رہے ہو۔'' دفعتاً توقیر چیخا۔

''اب تمہارے دونوں پیر بیکار کر رہا ہوں.....توقیر.....!''

سر فضل کی آواز سنائی دی، ساتھ ہی ایک بہت ہی کریہہ چیخ بھی کمرے کی محدود فضا میں گونجی۔

یہ سب کچھ ہوگیا لیکن روحی حمید کا سر سہلاتی رہی۔

''میں پاگل ہوجاؤں گا۔'' حمید بڑبڑایا۔

''ڈیڈی نے اس کے دونوں پیر بیکار کر دیئے.....اب میں اُسے پہلے سے زیادہ چاہوں گی۔ ٹخنے اکھاڑ دیئے ہوں گے۔اس فن کے ماہر ہیں ڈیڈی۔'' اتنا کہہ کر اس نے جو حمید کے سر کے نیچے سے زانو ہٹایا تو حمید کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔سر فرش سے ٹکرایا تھا۔ پھر وہ شدید ترین تکلیف میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی ہنس پڑا۔ کیونکہ اب وہ توقیر کا سر اپنے زانو پر رکھے سہلا رہی تھی۔توقیر کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ فرش پر چت پڑا تھا۔

سر فضل قریب ہی کھڑا کہہ رہا تھا۔''واقعی تم بہت جیالے ہو توقیر کہ بے ہوش نہیں ہوئے۔تمہارے دونوں ٹخنے اکھڑ گئے ہیں اور تم اُسوقت تک اپنے پیروں پر نہیں کھڑے ہوسکو گے جب تک وہ بٹھا نہ دیئے جائیں۔''

لیکن وہ کچھ دیر پہلے والے فضل مجید کی آواز تو نہیں تھی۔

''کیا.....؟'' حمید کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔

''فکر کی بات نہیں ہے فرزند.....!'' اس نے فریدی کی اصل آواز سنی۔

''توقیر کا یہ خیال کیسے غلط ہوسکتا ہے کہ میں فضل مجید کی نقل ہوں۔''

''یعنی.....تو یہ توقیر.....!''

''ہاں.....عرصہ ہوا اس نے کہا تھا کہ اس کے خلاف کبھی کوئی جرم ثابت نہ کیا جاسکے گا اور پھر اس نے یہ بات مجھ سے کہی تھی۔لہٰذا تم دیکھ ہی چکے ہو کہ اُس نے خود ہی اپنے جرائم کی

فہرست اپنے دستخط سمیت میرے حوالے کی ہے۔"

"تو کون ہے.....؟" توقیر پھنسی پھنسی سی آواز میں چیخا۔

"احمد کمال فریدی.....اور میرا تعلق مرکزی محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔"

پھر وہاں قبرستان کا سا سناٹا چھا گیا۔ روحی بھی توقیر کے پاس سے ہٹ آئی تھی۔

"اور یہ.....!" کچھ دیر بعد فریدی بولا۔ "کیپٹن ساجد حمید میرا اسسٹنٹ ہے۔"

"لل.....لیکن.....روحی.....!" حمید ہکلایا۔

"لیڈی انسپکٹر ریکھا.....تم کتنے احمق ہو.....قریب سے بھی اُسے میک اپ میں نہیں پہچان سکتے۔"

"جی.....!" حمید جلے کٹے لہجے میں بولا۔ "اب مجھے آپ کے اس کمال کی تقریباً ایک ہزار بار تعریف کرنی چاہئے۔"

دوسرے دن کرنل فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔ "تم اُلو ہو۔ میں جب اور جس طرح چاہوں تمہیں استعمال کرسکتا ہوں۔ اگر براہِ راست تمہیں اس کام پر مامور کرتا تو تم سے حماقتیں سرزد ہوتیں۔ نہ تم روحی میں اجنبیت محسوس کرسکتے اور نہ اداکاری میں حقیقت کا رنگ بھر سکتے۔ ریکھا محض تمہیں دکھانے ہی کے لئے اُن لوگوں کی راہ روکتی تھی۔ جو اس دیوانے کو پکڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ مقصد تھا کسی طرح وہ تمہیں اپنی طرف متوجہ کرے اور تم اس کے پیچھے لگ جاؤ۔ آرلکچنو والا دھماکہ اسی مقصد میں مزید زور پیدا کرنے کے لئے ہوا تھا۔ البتہ آصف پر زہریلا مادہ مجرموں ہی نے پھینکا تھا۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے حمید صاحب۔ پانچ سال سے چل رہی تھی۔ مختلف اوقات میں اس کی کڑیاں بھی ملاتا رہتا تھا۔ توقیر یہاں کا ایک بڑا تاجر تھا۔

کبھی مڈل ایسٹ میں رہتا تھا اور کبھی یہاں آجاتا تھا۔ پانچ سال پہلے کی بات ہے کہ لنگڑا بن کر واپس آیا۔ مشہور کیا کہ اُس پر فالج کا حملہ ہوا تھا ایک ٹانگ بیکار ہوگئی۔ اس بار وہ منشیات کی ناجائز تجارت کا جال پھیلا کر آیا تھا۔ اس طرح کہ عام کارکنوں کو علم نہ ہوسکے کہ تجارت کا اصل مالک کون ہے۔ میں نے چھان بین کی تو سلسلہ توقیر تک پہنچا۔ لیکن کوئی واضح ثبوت نہ تھا اس کے خلاف اور پھر یہ ایک منسٹر کا بھتیجا بھی تھا۔ دال نہ گل سکی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ لنگڑا بھی نہیں ہے۔ لیکن بغیر کوئی ثبوت ہاتھ آئے اس کا میڈیکل ایکزامینیشن بھی نہیں کرایا جاسکتا تھا۔ لہٰذا میں نے یہ تدبیر اختیار کی۔ لنگڑا بن جانے کے بعد سے وہ عورتوں کی صحبت کو ترس گیا تھا۔ لیکن گوشہ نشینی اختیار کرنے کے بعد سے وہ کسی ایسی عورت کی تلاش میں تھا جو اس سے محبت بھی کرسکے۔ میں نے خود کو سر فضل مجید کی حیثیت سے اس کے حلقہ احباب میں متعارف کرانا شروع کیا۔ ریکھا میری بیٹھی بنی۔ ڈھکے چھپے انداز میں توقیر پر یہ بھی ظاہر کرتا رہا کہ میں بھی ایک عادی مجرم ہوں۔ اُدھر ریکھا بھی اس میں دلچسپی لیتی رہی اور وہ اس پر ہزار جان سے فریفتہ ہوگیا۔ اس کی حالت تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔ ریکھا کو میں نے محض اس لئے شریک کیا تھا اس کیس میں کہ توقیر کبھی اور کسی موقع پر اپنے مصنوعی لنگڑے پن کو بھول جائے۔ بس اسی جگہ وہ پوری طرح میری گرفت میں آجاتا۔ میرا خیال تھا کہ عورت سے متعلق فطری تقاضے اُسے اس قسم کی بوکھلاہٹ میں مبتلا کرسکیں گے کہ وہ کسی نقطے پر اپنا لنگڑا پن قطعی بھلا بیٹھے لیکن تم اُسے رات دیکھ ہی چکے ہو کہ وہ کس طرح اپنا لنگڑا پن برقرار رکھے تھا۔ اس رات وہ سب کچھ پہلی بار نہیں تھا۔ ریکھا اس سے پہلے بھی اس قسم کے حربے اس پر استعمال کرچکی تھی۔ پھر میں نے سوچا کہ وہ رقابت ہی کا جذبہ ہوگا جو اُسے راستے پر لاسکے۔ لہٰذا تمہیں اس طرح الجھانے کی کوشش کی گئی کہ تمہیں اصل بات کا علم نہ ہوسکے۔''

''اگر سچ مچ میرا دم گھٹ جاتا تو.....!'' حمید نے جل کر کہا۔

''اتنی مہلت کب دیتا اُسے۔ سب کچھ میرے اندازے کے مطابق ہوا تھا۔''

''تصویر.....اور تصویر کے دشمن کا کیا چکر تھا۔''

''وہ چکر بھی توقیر کا ہی چلایا ہوا تھا۔ لیکن میں نے اس کی طرف سے آنکھیں قطعی بند کرلی تھیں۔ منشیات کی ناجائز تقسیم کی روک تھام کے لئے عرصہ سے شہر میں سفید پوش کانسٹیبلوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ کچھ دنوں تک توقیر کا گروہ تقسیم کاری کی دشواریوں میں مبتلا رہا۔ پھر اس نے یہ تدبیر کی۔ دیوانہ کتاب اٹھا کر بھاگتا تھا اور عوام کے سفید پوش کانسٹیبل بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑتے تھے اور گروہ والوں کو موقع مل جاتا تھا کہ منشیات کے اسٹاک اڈوں پر پہنچا دیں۔''

''لیکن وہ لوٹ مار.....!''

''میرا خیال ہے کہ معمولی چوروں اور اچکوں کی بھی بن آئی تھی ان مواقع پر۔ توقیر کا گروہ اس میں پڑ کر مزید خطرات مول لینے کی جرأت نہ کرتا۔ بہرحال اس دیوانے کو بہت زیادہ پُراسرار بنانے کے لئے ایک مصنف کی ایک ہی کتاب کی کاپیاں اٹھوائی جاتی رہی ہیں اور کتاب کا صرف سرورق پھاڑا جاتا اور کتاب کی قیمت بھی کسی نہ کسی طرح دوکاندار کو بھجوا دی جاتی۔ یہ سب محض اس لئے تھا کہ پولیس اس معمے کو حل کرنے کے چکر میں پڑی رہے اور وہ لوگ بہ آسانی نشہ آور چیزیں تقسیم کے اڈوں تک پہنچاتے رہیں۔ بہرحال توقیر گرفت میں آ ہی گیا۔ اس کا اعتراف جرم تحریر کی شکل میں میرے پاس موجود ہے اور اس کمرے کی ساری کہانی ٹیپ ریکارڈ پر بھی ریکارڈ ہوتی رہی تھی۔ اگر اس نے اعتراف نامے کو پولیس کے جبر کا نتیجہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی تو ریکارڈ کیا ہوا ٹیپ اُسے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دے گا۔''

''اس ساحلی ہوٹل میں ایک جہاز راں سے آپکا جھگڑا کیوں ہوا تھا؟'' حمید نے پوچھا۔

''وہ سارا سٹ اپ تمہیں الجھانے کے لئے تھا۔ وہ چاروں جہاز راں بلیک فورس کے ممبر تھے۔ اسکیم یہ تھی کہ وہ پٹ کر تمہاری گاڑی لے بھاگے گا اور تم مجبوراً میری گاڑی میں ہی آ بیٹھو گے اور میں تمہیں وہ دکھاؤں گا جو دکھانا چاہتا تھا۔ اس کا انتظام بھی پہلے ہی سے کرلیا تھا کہ وہاں کوئی تیسری گاڑی پارک نہ ہونے پائے۔''

''اللہ رحم کرے میرے حال پر.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''اب احساس ہوا ہے مجھے کہ میں ایشیا کا عظیم ترین بدھو ہوں۔''

حمید آفس کے کمپاؤنڈ کے پھاٹک پر لیڈی انسپکٹر ریکھا کا منتظر تھا۔ وہ اسکوٹر پر آتی تھی اور حمید کا ارادہ تھا کہ وہ آصف تک پہنچنے کے لئے اس کا اسکوٹر استعمال کرے اور اس طرح کرے کہ وہ اسکوٹر چلا رہی ہو اور حمید تماشا بنا اس کے پیچھے بیٹھا ہوا نظر آئے اور اس خواہش کا تعلق کسی محکماتی کارروائی سے نہیں تھا بلکہ وہ آصف کی عیادت سے پہلے بہت زیادہ خوش طبعی کے مظاہرے کا موڈ بنانا چاہتا تھا۔

جیسے ہی ریکھا کا اسکوٹر قریب پہنچا حمید نے بوکھلائے ہوئے انداز میں دونوں ہاتھ ہلائے۔ اُسے اسکوٹر روکنا پڑا۔

''اس وقت کمپاؤنڈ میں کوئی گاڑی موجود نہیں۔ بے حد ضروری ہے کہ آصف سے کچھ باتیں معلوم کی جائیں۔ چلو میرے ساتھ۔'' حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں کیوں جاؤں.....تم گاڑی لے جاؤ۔''

''میرے بازوؤں میں سخت درد ہو رہا ہے۔ ہینڈل کو صحیح طور پر گرپ نہیں کرسکوں گا۔''

''اچھا تو بیٹھو.....!'' وہ جھلا کر بولی۔

اسکوٹر دوسری طرف مڑ ہی رہا تھا کہ ریکھا بولی۔ ''میرے جسم سے الگ ہی رہنا۔''

''اور پرسوں رات جو سر سہلا رہی تھیں میرا، زانو پر رکھے.....آہا ٹھیک ہے وہ تو ڈیڈی کی اجازت سے تھا۔''

''شٹ اپ.....!''

''اچھا یہ بتاؤ اگر وہ سچ مچ اپنے پیروں پر کبھی کھڑا ہو گیا ہوتا تو کیا ہوتا۔''

''سوچے جاؤ احمقوں کی طرح۔''

''کاش میں لنگڑا ہی ہوتا۔ کم از کم شادی پر تو راضی ہو گئی تھیں۔''

''شٹ اپ.....!''

"اس میک اپ میں پھر کبھی ملو گی۔"

"ضرور.....ضرور..... ہائیں.....ارے.....لو کلچ وائر ٹوٹ گیا۔"

اسکوٹر سڑک کے کنارے رک گیا۔ حمید اُتر پڑا۔

"اب کیا کریں..... یہاں آس پاس کسی آٹو پارٹ ڈیلر کی دوکان بھی نہیں۔ اب تم اسے کھینچ کر لے چلو۔"

"میں کھینچوں؟"

"ارے وہ دیکھو اس طرف..... عادل آٹوز.....وہ رہی دوکان.....دوڑ کر کلچ وائر ہی لے آؤ۔"

"لگائے گا کون.....؟"

"دوکاندار سے معلوم کر لینا.....ہوسکتا ہے وہیں کوئی لگا دے اور پھر اس کا لگانا کون سا بڑا مشکل کام ہے۔"

حمید نے جھپٹ کر سڑک پار کی اور پھر جو مڑ کر دیکھا ہے تو احمقوں کی طرح دیکھتا ہی چلا گیا۔ ریکھا نے دوبارہ اسکوٹر اسٹارٹ کیا تھا اور یہ جا وہ جا۔ دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

خوش طبعی رخصت ہوگئی۔ پہلے تو ذہن پر کھسیاہٹ کا حملہ ہوا پھر جھنجھلاہٹ نے رہے سہے موڈ کا بھی بیڑا غرق کر دیا۔

آصف کی عیادت کو تو جانا ہی تھا کیونکہ فریدی کی طرف سے اس کے لئے ہدایت ملی تھی۔

ایک آٹو رکشا میں آصف تک پہنچا۔

وہ چت لیٹا ہوا تھا۔ ایک آنکھ پر پٹی بندھی تھی۔ چہرے کی حالت ابتر ہی تھی۔ ابھی آبلے خشک ہو چلے تھے لیکن ان کی مٹیالی رنگت نے چہرے کو عجیب سا بنا دیا۔ حمید کو دیکھتے ہی وہ غرایا "چلے جاؤ یہاں سے..... مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں۔"

"مجھے تو ضرورت ہے کہ بخیر و عافیت رہوں۔ حکم ملا ہے کہ آپ کی عیادت کو جاؤں لہٰذا حاضری دے رہا ہوں۔"

''تم لوگوں کا یہ کمینہ پن زندگی بھر یاد رہے گا۔''

''آپ خواہ مخواہ اپنے ساتھ میرا ذہن بھی تباہ کر رہے ہیں۔ اس گروہ کے ایک کارکن کا تحریری بیان موجود ہے جس نے آپ پر زہریلا مادہ پھینکا تھا۔ مقصد صرف یہی تھا کہ پولیس اس دیوانے کا معمہ حل کرنے میں لگی رہے۔''

''وہ لڑکی پکڑی گئی یا نہیں۔''

''میں پکڑا گیا تھا اور وہ لڑکی میرا سر سہلا رہی تھی اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی مجھے بھی چھوڑ بھاگی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اب آپ جلدی سے اچھے ہو جایئے پھر سارے پرائیویٹ حالات کھول کھول کر بیان کر دیئے جائیں گے۔''

آصف بُرا سا منہ بنائے ہوئے پڑا رہا..... اور حمید سوچ رہا تھا کہ عیادت میں کم سے کم کتنا وقت صرف کیا جانا چاہیے۔

ختم شد